جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد

عالمِ ربّانی محدّثِ کبیر حضرۃ مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سیّد رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

اپریل
سنہ ۱۹۹۸ء

ذی الحجہ
سنہ ۱۴۱۸ھ

قربانی کی فضیلت اور اہمیت

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بقرعید کے دن قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر کوئی عمل اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہے اور بلاشبہ قربانی کرنے والا قیامت کے دن اپنی قربانی کے سینگوں اور بالوں اور کھروں کو لے کر آئے گا (یعنی یہ حقیر اشیاء بھی اپنے وزن اور تعداد کے اعتبار سے ثواب میں اضافہ در اضافہ ہونے کا سبب بنیں گی) اور (یہ بھی) فرمایا کہ بلاشبہ (قربانی کا) خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجہ قبولیت حاصل کر لیتا ہے، لہٰذا خوب خوش دلی سے قربانی کرو۔[1]

(۲) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ملتی ہے، صحابہ کرام رض نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر اون والا جانور ہو (یعنی دنبہ ہو جس کے بال بہت ہوتے ہیں) اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا! اس کے بھی ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ہے۔[2]

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور ہر سال پابندی سے قربانی فرماتے رہے۔[3]

(۴) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! مَنْ وَجَدَ سِعَةً لِأَنْ يُضَحِّيَ فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَحْضُرْ مُصَلَّانَا۔[4]
یعنی جو شخص وسعت ہوتے ہوئے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

---

[1] مشکوٰۃ ص۱۲۸ [2] مشکوٰۃ ص۱۲۸ [3] مشکوٰۃ ص۱۲۹ [4] رواہ الحاکم (الترغیب والترہیب ص۱۰۳ ج۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماھنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۶ — ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ / اپریل ۱۹۹۸ء — شمارہ : ۷

مدیر

سیّد محمود میاں

مدرّس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۲ روپے ------ سالانہ ۱۳۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات دبئی 〃 ۵۰ ریال

بھارت، بنگلہ دیش ------- 〃 ۱۰ امریکی ڈالر

امریکہ افریقہ --------- 〃 ۱۶ ڈالر

برطانیہ ----------- 〃 ۲۰ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ

ماہ . . . سے آپ کی مدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ

جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

کوڈ ...۵۴ فون ۲۰۱۰۸۶-۷۷۲۴۲۷۳

فیکس نمبر ۷۷۲۶۷۰۲ - ۴۲ - ۹۲

○

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر

دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
درسِ حدیث	حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ	۸
مشکلات کا حل	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	۱۱
اسلام میں عفت و عصمت کی اہمیّت	حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری	۱۷
محمد بن جریر الطبری	پروفیسر خالد بزمی صاحب	۲۵
عید کس کی ہے ؟ (نظم)	وفا ملک پوری صاحب	۳۳
اُصول بدعت	مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب	۳۵
حاصل مطالعہ	مولانا نعیم الدّین صاحب	۴۸
تقریظ و تنقید		۵۷
اخبار الجامعہ	محمد عابد	۶۳

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلّہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلّہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

خیر و شر کے اعتبار سے دُنیا میں بسنے والے انسان ہمیشہ دو طرح کے رہے ہیں ایک اہلِ خیر حضرات دوسرے اہلِ شر پھر خیر و شر کے مختلف درجوں کے اعتبار سے اچھّے اور بُرے لوگوں کے مختلف درجے ہوگئے۔ خیر کے بلند ترین درجوں پر فائز ہونے والے حضرات نبی اور رسول کہلاتے ہیں جبکہ شر کے سب سے بد ترین درجہ کے لوگ فرعون ہامان نمرود، شداد، ابوجہل اور دجال جیسے بدنصیب لوگ ہوتے ہیں۔

خیر و شر کی قوتوں میں ہمیشہ سے معرکہ آرائی رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی، کبھی خیر اور حق کی قوتوں کو غلبہ ہوگا اور کبھی شر اور باطل کی قوتوں کو تاہم باطل کا غلبہ ہمیشہ عارضی اور وقتی رہا ہے جس کا انجام بالآخر ناکامی اور دُنیا و آخرت کی نامُرادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے

متاع قلیل ثم مأواھم جھنم و بئس المھاد۔ بہت تھوڑی سی مہلت ہے (بالآخر ان کا انجام جہنّم ہے اور (جہنّم) بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

جبکہ اہل حق کی جماعت ہمیشہ غالب رہی ہے۔ بظاہر کبھی مغلوب بھی ہوئی تو وقتی اور عارضی طور پر ـــــ مگر اچھّا انجام اہلِ حق ہی کا ہوتا ہے۔ دُنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ اُن کو سُرخرو فرماتے ہیں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لکن الذین اتقوا ربھم لھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین

فیھا نزلاً من عند اللہ وما عند اللہ خیر للابرار (پ ۴ ع ۱۱) "لیکن جو لوگ ڈرتے رہے اپنے رب سے ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں نیک بختوں کے واسطے ہمیشہ رہیں گے۔ ان میں مہمانی ہے اللہ کی طرف سے اور جو اللہ کے ہاں ہے سو بہتر ہے"۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی نشرواشاعت کے لیے منتخب فرمالیا اور وہ لوگ بھی خوش نصیب ہیں جنھوں نے اپنی طاقت کے بقدر ان کی نصرت اور اکرام کیا۔

موجودہ دَور ایسا ہی چل رہا ہے کہ اس میں شر اور فتنوں کا زور ہے۔ اہلِ حق مغلوب ہیں اور حق کو مٹانے کی ہر طرف سے بھرپور کوششیں کی جارہی ہیں اور پوری قوت کے ساتھ علماء حق کو بدنام کیا جارہا ہے اور تاکہ وہ گناہوں کا اُن کو ذمّہ دار قرار دیا جارہا ہے۔ کچھ عرصہ سے حکومتی ذرائع یہ کہہ رہے ہیں اور پنجاب کے وزیرِ اعلیٰ جناب شہباز شریف صاحب کے بھی اسی قسم کے بیانات آرہے ہیں کہ حالات کی خرابی کی ذمّہ داری علماء پر ہے۔ اُن کے اختلافات کی وجہ سے ہم ترقی نہیں کرسکے۔ دُنیا چاند پر پہنچ چکی ہے اور ہم ٹخنوں سے نیچے اور اُونچے شلوار باندھنے کے جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ علماء میں شلوار ٹخنوں سے اور اُوپر باندھنے میں کبھی اختلاف ہوا ہی نہیں ہے سب کا ہمیشہ سے اتّفاق رہا ہے کہ مردوں کو ازار ٹخنوں سے اُوپر رکھنا چاہیے اور عورتوں کو ٹخنے ڈھانکنے چاہییں۔ البتہ علما اپنے وعظوں میں دینی احکامات میں دوہراتے رہتے ہیں اور ان کی تلقین کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگ بُرائیوں سے بچیں اور اچھے کام کریں اور بار بار تلقین کرتے رہنے کا حکم بھی اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہے اس لیے علما ایسا کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین "آپ سمجھاتے رہیے کیونکہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کو۔

ورنہ علماء بھی ایک دفعہ کہہ کر خاموش ہوجایا کرتے بار بار کی تکرار میں کوئی مزہ تھوڑا ہی آتا ہے وزیرِ اعلیٰ صاحب اور دیگر حکام ذرا غور کریں اور ٹھنڈے دل سے اپنے دائیں بائیں کا جائزہ لیں تو جرائم اور انحطاط ہی اُن کو نظر آئے گا۔ سول سیکرٹیٹ جو کہ وزیرِ اعلیٰ صاحب کا اپنا آفس ہوتا ہے۔ وزیرِ اعلیٰ نظر دوڑائیں بلکہ دوڑا چکے ہوں گے تو اُن کو ہر سیکرٹری بدعنوان ہی نظر آئے گا۔ تلاش کرنے پر ایک

مولوی بھی ان سیکرٹری صاحبان میں نظر نہیں آئے گا۔ اسی طرح دیگر اداروں کا بھی یہی حال ہے کہ ان میں بدعنوانی بھی عروج پر ہے اور مولوی بھی کوئی نہیں ہے۔

ریلوے کا زوال پوری قوم دیکھ رہی ہے۔ آئے دن حادثات ہو رہے ہیں مگر کسی نے بھی مولوی کو اس کا ذمہ دار قرار نہیں دیا اور دیا بھی نہیں جا سکتا۔ اس لیے کہ ریلوے کا وزیر مولوی نہیں ہے اس کا چیئرمین مولوی نہیں ہے۔ بورڈ کا ایک بھی ممبر مولوی نہیں نہ انجن ڈرائیور نہ گارڈ نہ اسٹیشن ماسٹر نہ سگنل کنٹرول کرنے والا نہ پھاٹک کا چوکیدار، پورا محکمہ مولویوں سے پاک ہے مگر پھر بھی ریلوے تقریباً ڈوب چکا ہے۔

یہی حال قومی ادارے "واپڈا" کا ہے کہ اس کا زوال اپنے آخری مراحل میں ہے جس کا خمیازہ پوری قوم بھگت رہی ہے اس محکمہ میں بھی مولوی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اسی طرح پی آئی اے کو لے لیجیے ہچکولے کھاتے اس ادارے سے بھی کوئی مولوی چمٹا ہوا دکھائی نہیں دے گا۔ اسی طرح ملک کے سائنسی اور تحقیقاتی اداروں میں بھی ٹخنوں سے نیچے اوپر شلوار باندھنے یا نماز میں ہاتھ ناف سے نیچے یا اوپر باندھنے پر کوئی اختلاف نہیں پاکستان کی تاریخ میں ایک بھی مثال ایسی پیش نہیں کی جا سکتی کہ سائنسدان، پائلٹ، ریلوے اور واپڈا کے انجینئر اس مسئلہ کی وجہ سے لڑ پڑے یا ہڑتال پر چلے گئے بلکہ ان میں جو نمازی ہے وہ باقاعدہ نماز پڑھ رہا ہے اور جو نہیں پڑھتا اس کا سر کسی نے نہیں پھوڑا غرض اوپر سے نیچے تک پاکستان کے پچاس سالہ دورِ اقتدار میں کہیں بھی مولویوں کا عمل دخل نہیں رہا ہے۔ پچاس سالہ اس دور میں اتنا ضرور ہوا کہ صوبہ سرحد میں ایک مرتبہ صرف نو ماہ کے لیے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ وزیرِ اعلیٰ ہوئے ہیں۔ ملکی تاریخ میں امن و امان اور نظم و نسق کے اعتبار سے یہ سنہری دور قرار دیا جاتا ہے۔ مخالف بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مختلف مواقع پر صوبہ بلوچستان میں علماء کی وزارتیں بنی ہیں اور ہر شخص معترف ہے کہ رکاوٹوں اور جان بوجھ کر پیدا کی گئی مشکلات کے باوجود وزراء کی کارکردگی کا گراف بلند ہی رہا ہے۔ سابق صدر غلام اسحاق خان نے بھی اس کا برملا اعتراف کیا تھا۔ اب تک کی ساری تحریر سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ خرابیاں وہاں پائی جا رہی ہیں جہاں مولوی نہیں ہیں اور جہاں مولوی ہوتے ہیں وہاں یا تو خرابیاں ختم ہو جاتی ہیں ورنہ ان میں کمی ضرور واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بغیر سرکاری سرپرستی کے تعلیمی میدان میں بھی علماء کی شاندار خدمات ہیں جن

کے بہترین نتائج سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اصل بات یہ ہے کہ افغانستان میں مولویوں کا اقتدار اور دُنیا بھر میں اسلامی تحریکوں کا احیاء جو بلاشُبہہ دینی مدارس کی عظیم خدمات کا ثمرہ ہے جس کا سہرا عُلماء دیوبند اور دین سے وابستگی رکھنے والے عامۃ الناس کے معاونین کے سر ہے۔ اہلِ مغرب اور اہلِ مغرب کے زیرِ اثر جاگیردار اور سرمایہ دار طبقہ کو پسند نہیں ہے اس لیے اس قسم کے من گھڑت بیانات دے کر طبقہ عُلماء سے لوگوں کو متنفر کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔

عُلماء حق اللہ کے دوست اور اس کے دین کے محافظ ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ کی اس جماعت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوتا ہے۔ وہ اُن کا محافظ اور نگہبان ہوتا ہے اس کا وعدہ ہے۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ ان کی مخالفت کرنا اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے، لہٰذا ان کو بدنام کرنے سے باز رہنا چاہیے۔

پچاس برس کا عرصہ گزر گیا مگر عُلماء حق کی مخالفت کا سلسلہ روز بروز بڑھتا ہی چلا رہا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ حالات دن بدن ابتر ہوتے چلے جاتے ہیں ـــ حالات کس تیز رفتاری سے تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ ہم کہاں تھے اور اب کہاں ہیں اس کا اندازہ پنجاب پولیس کے ان اعداد و شمار سے لگا لیجیے جو گزشتہ ماہ ۸ مارچ کے روزنامہ جنگ میں شائع ہوئے ہیں۔ یہ اعداد و شمار پورے ملک کے نہیں بلکہ صرف صوبہ پنجاب کے ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ

" پنجاب پولیس کے اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۹۷ء تک پنجاب بھر میں پولیس نے ایک کروڑ سے زائد مقدمات درج کیے جن میں ایک لاکھ نو ہزار پانچ سو چودہ افراد قتل ہوئے۔ اس طرح اوسطاً ہر چار گھنٹہ بعد ایک قتل ہُوا۔ ایک لاکھ ۶۶ ہزار ۶۴۶ افراد پر قاتلانہ حملہ ہُوا۔ ۲۹ ہزار ۹۲۷ سرکاری افسران و ملازمین پر حملے ہوئے۔ لاکھوں مرد عورتیں اور بچے اغوا ہوئے۔ تقریباً ایک لاکھ عورتوں کی آبرو ریزی کی گئی۔ ڈکیتی راہزنی چوری اور نقب زنی کی بحیثیت مجموعی دس لاکھ سے زائد وارداتوں میں اربوں روپے لوٹے گئے۔ ڈھائی لاکھ سے زائد مویشی چوری ہوئے۔"

ان تمام وارداتوں میں اللہ کے فضل سے کہیں بھی مولویوں کا تذکرہ نہیں ہوگا اور اگر کوئی

نام نہاد مولوی ہوا بھی تو اعشاریوں میں ہوگا۔ یہ ان جرائم کی فہرست ہے جو ریکارڈ پہ درج ہوگئے جو مقدمات کسی وجہ سے درج نہیں کرائے جاسکے ہوں گے ان کی تعداد بھی لاکھوں میں ہوگی۔

آخر میں ہماری وزیرِ اعلیٰ پنجاب اور اُن کے رفقاء سے درخواست ہے کہ وہ واقعات کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ کریں۔ جذبات میں آکر علماءِ حق کو بُرا بھلا مت کہیں کیونکہ یہ اللہ کے دوست ہوتے ہیں۔ ان کو ناراض کرنا اللہ کو ناراض کرنا ہوتا ہے۔ اقتدار جیسی عارضی اور فانی چیز کی خاطر دُنیا و آخرت کا خسارہ مول لینا کسی طرح بھی دانشمندی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ وزیرِ اعلیٰ صاحب کو چاہیے کہ ان بے لوث علماء کی خدمات اور دُعاؤں سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں۔ قومی ادارے مکمل اختیار کے ساتھ اُن کے سپرد کریں۔ بطور خاص تعلیمی ادارے عدالتی اُمور مرکزی حکومت کو چاہیے کہ ان کی تحویل میں دے دے۔

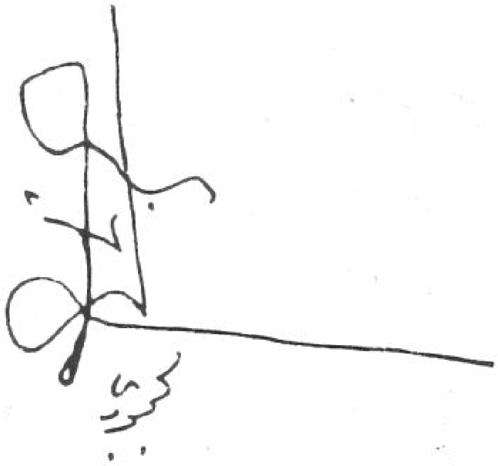

مولای صل وسلم دائما ابدا　　علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔
محترم الحاج محمود احمد عارف رحمہ کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنھوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔
ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔
واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

هنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است　　خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۲۱ سائیڈ بی ۱۰ جون ۱۹۸۳ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا ومولانا محمّد وّ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

اما بعد! عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اٰخَی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ اَصْحَابِہٖ فَجَاءَ عَلِیٌّ تَدْمَعُ عَیْنَاہُ فَقَالَ اٰخَیْتَ بَیْنَ اَصْحَابِکَ وَلَمْ تُوَاخِ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اَحَدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ، وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَیْرٌ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ ائْتِنِیْ بِاَحَبِّ خَلْقِکَ اِلَیْکَ یَأْکُلُ مَعِیَ ھٰذَا الطَّیْرَ فَجَاءَہٗ عَلِیٌّ فَاَکَلَ مَعَہٗ، وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ کُنْتُ اِذَا سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْطَانِیْ وَاِذَا سَکَتُّ ابْتَدَأَنِیْ، وَعَنْ اُمِّ عَطِیَّۃَ قَالَتْ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَیْشًا فِیْھِمْ عَلِیٌّ قَالَتْ فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ رَافِعٌ یَدَیْہِ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَا تُمِتْنِیْ حَتّٰی تُرِیَنِیْ عَلِیًّا۔[1]

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۳

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے صحابہ کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا تو حضرت علی رضؓ اس حال میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے، عرض کیا کہ آپ نے اپنے صحابہ کے درمیان تو بھائی چارہ قائم فرمادیا لیکن کسی سے میرا بھائی چارہ قائم نہیں کیا (یہ سُن کر) رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تم میرے بھائی ہو، دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سامنے (بھُنا ہُوا یا پکا ہُوا) پرندہ رکھا ہُوا تھا۔ آپ نے دُعا مانگی "اے اللہ! تیری مخلوق میں جو شخص بہت زیادہ تجھ کو محبوب ہو اس کو بھیج تا کہ وہ میرے ساتھ اس پرندہ کا گوشت کھائے" تو حضرت علی رضؓ آئے اور اُنھوں نے آپ کے ساتھ کھایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے جب بھی کچھ مانگتا تو آپ عطا فرما دیتے اور جب میں خاموش رہتا۔ یعنی مانگنے سے حجاب برتتا تو آپ خود دے دیتے تھے۔

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (کسی جنگی مہم پر) ایک لشکر روانہ فرمایا اس میں حضرت علی رضؓ بھی شامل تھے۔ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس موقع پر میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ہاتھ اُٹھا کر یہ دُعا مانگتے سُنا "الٰہی مجھ کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ تو علی کو (عافیت و سلامتی کے ساتھ واپس لاکر) مجھ کو نہ دکھادے"۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابۂ کرام میں مُواخات کرائی یعنی مُعیّن فرمادیا کہ فلاں آدمی فلاں کا بھائی ہے فلاں آدمی فلاں کا بھائی ہے۔ اس طرح سے طے کردیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے۔ تَدْمَعُ عَیْنَاہُ وہ رو رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اُنھوں نے عرض کیا " اٰخَیْتَ بَیْنَ اَصْحَابِكَ وَلَمْ تُوَاخِ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اَحَدٍ " آپ نے اپنے صحابۂ کرام میں مُواخات کرادی ہے ایک دوسرے کو بھائی بنا دیا یہ آپ نے سب صحابہ کرام کے درمیان کردیا ہے وَلَمْ تُوَاخِ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اَحَدٍ میرا کسی کے ساتھ ایسے آپ نے جوڑ نہیں بتایا کہ میرا بھائی کون ہے۔

تو ایک بھائی تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنا دیے۔ پیدائشی حساب سے اور دوسرا بھائی وہ ہے جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بنا دیا تو یہ معمولی بات نہیں ہوئی۔ یہ بڑی بات ہُوئی کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ

والسّلام اپنی زبان مُبارک سے کسی کو کسی کا بھائی کہہ دیں۔

اللہ تعالیٰ جو بھائی بناتے ہیں اُس کے بعد درجہ اسی بھائی کا ہے۔ (جیسے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھائی بنایا ہے۔) تو اس طرح کا (بھائی چارہ نہ ہونے کا ان پر) اثر ہُوا۔ ان کا رونا جو تھا وہ بے وجہ نہ تھا اِس وجہ سے تھا، جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُنہیں جو جواب دیا اُس میں اُن کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، ارشاد فرمایا " اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ " تم میرے بھائی ہو دُنیا اور آخرت میں، دنیا میں رشتہ کے لحاظ سے چچازاد بھائی ہو، ساتھ رہے ہو اور دُنیا میں ہمیشہ ہی ساتھ رہے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ، بچپن سے لے کر آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دُنیا سے رُخصت ہونے تک ساتھ ہی رہے ہیں، بالکل جب چھوٹے تھے تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تربیت میں آگئے تھے آپ نے فرمایا کہ تم میرے بھائی ہو۔ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، ویسے رشتہ دامادی کا بھی ہوگیا، مگر وہ بعد کا درجہ ہے، ایک رشتہ سے دوسرے رشتے کی نفی تو نہیں ہو جاتی۔ اگر کوئی آدمی داماد ہے اور چچازاد بھائی بھی ہے تو داماد ہونے کے بعد یہ تو نہیں کہا جائے گا کہ وہ چچازاد بھائی نہیں رہا، چچازاد بھائی بھی ہے داماد بھی ہے اور ممکن ہے کہ چچازاد بھی ہو خالہ زاد بھی ہو اکٹھا رشتہ بھی بن جاتا ہے تو ہر طرح سے رشتہ جو بھی رشتہ کسی کا ہے وہ دوہرایا جا سکتا ہے اور قائم رہتا ہے

آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے بھائی ہو دُنیا اور آخرت میں، یہ گویا بہت بڑی فضیلت ہوگئی جو اُنھیں حاصل تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی) عادتِ طیّبہ یہ تھی کہ جب بھی مَیں نے کبھی کوئی چیز طلب کی تو جناب نے مجھے وہ عطا فرمادی۔ وَاِذَا سَکَتُّ اور اگر مَیں نہ مانگوں خاموش رہوں تو اِبْتَدَأَنِیْ تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خود ہی عطا فرما دیا کرتے تھے۔

آقائے نامدار حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک دفعہ (حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ) پرندہ کا گوشت آیا آپ نے دُعا فرمائی اور یہ فرمایا " اَللّٰھُمَّ ائْتِنِیْ بِاَحَبِّ خَلْقِکَ اِلَیْکَ یَأْکُلُ مَعِیْ ھٰذَا الطَّیْرَ " خداوند کریم میرے پاس کوئی بہت ہی محبوب آدمی بھیج جو میرے ساتھ اِس کھانے میں شریک ہو۔ یہ کھانا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پسند فرمایا ہوگا تو دُعا یہ فرمائی کہ وہ

بقیہ بر صفحہ ۲۴

ادارہ انوارِ مدینہ کی جانب سے رسالہ میں شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کی تقاریر شائع کرنے کا اہتمام کیا جارہا ہے ۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے متوسلین و خدام سے اپیل ہے کہ اگر ان کے پاس حضرت کی تقاریر ہوں تو ادارہ کو ارسال فرما کر عند الناس مشکور اور عند اللہ ماجور ہوں ۔　(ادارہ)

مرسلہ : مولانا تنویر احمد شریفی

مشکلات کا حل

✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رح کی ایک تقریر کے اقتباسات

مرتبہ : جناب عزیز الحسن غازی پوری

غازی پور شہر کے ٹاؤن اسکول کے میدان میں جمعیۃ علماء ہند کے زیرِ اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ جون ۱۹۵۴ء میں منعقد ہوا تھا جس سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے خطاب فرمایا تھا، حضرت رح کی تقریر کے اہم اقتباسات نوٹ کرلیے گئے تھے جو ماہنامہ تذکرہ دیوبند کے شکریہ کے ساتھ ماہنامہ انوارِ مدینہ کے صفحات کی زینت بن رہے ہیں ۔

مسلمانوں کو مشکلات اور پریشانیوں سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ درحقیقت مشکلات ہمارے سامنے ہیں، مگر یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، اسلام نے مشکلات و مصائب کے وقت جو تعلیم ہمیں دی ہے اس پر سختی سے عمل کرنا چاہیے، کسی طرح بھی یہ دُرست نہیں کہ ہم مایوس ہوکر پریشانی میں مبتلا ہوجائیں۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تا تَشْكُرُوْنَ (پ ۹ سورۂ انفال)

قرونِ اوّل کے تھوڑے مسلمان ایسے قوی اور مضبوط ہوتے تھے کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں پر غالب تھے ، انگریز اس ملک میں دو سو برس تک حکمرانی کرتا رہا۔ حالانکہ وہ صرف چار کروڑ تھا اور ہم چالیس کروڑ ، باوجودیکہ وہ اقلیّت میں تھا۔ اس کے پاس اس قدر ساز و سامان تھا کہ دو صدی تک ہندوستان پر حکومت کرتا رہا ، خداوند کریم نے مکّہ کے مسلمانوں کو ٹھکانہ دیا جب کہ مکّہ میں اُن کی زندگی دوبھر

ہو رہی تھی، وہ مکّہ کو چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر گئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا اور مدینہ والوں کو ان کا بہترین محافظ بنادیا، مدینہ کے لوگ آکر سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے درخواست کرتے ہیں کہ آپؐ اپنے ساتھیوں سمیت تشریف لائیں، ہم آپؐ کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنے بچّوں کی۔

بدر کے میدان میں تین سو مُسلمانوں کو جن کے پاس گنے چنے ہتھیار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فتح یاب کیا جبکہ ان کے مقابلہ میں جنگجو سپاہیوں کی کثیر تعداد تھی، ایک ہزار دُشمنوں کے مقابلہ میں ۳۰۰ کی تعداد ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ مُسلمانوں کو محفوظ ہی نہیں بلکہ غالب کیا۔ اسی جنگ میں دُشمن کے ستر سردار مقتول اور ستر قید ہو جاتے ہیں اور اس قدر زخمی ہوتے ہیں کہ ان کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں۔

مُسلمان مکّہ کو چھوڑ کر اس حال میں مدینہ پہنچتے ہیں کہ اُن کے پاس کپڑے نہیں ہیں بھوکے تھے روپیہ اور سامان نہیں لے جاسکتے تھے۔ فقط اپنی جان لے کر مدینہ جاتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی مدد کی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک ایک مہاجر کے ساتھ مدینہ کے انصار کا بھائی چارہ کرا دیا۔ یہ رشتہ ایسا مستحکم ثابت ہُوا کہ انصار نے اپنے باغ کا آدھا حصّہ کر کے مہاجرین کو دے دیا یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے حضرت سعد بن ربیعؓ نے یہ فرمایا کہ میری دو بیویاں ہیں اُن میں جو پسند ہو آپ لے لیجیے اسے میں طلاق دے دوں گا۔ حضرت ابن عوفؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مال و دولت میں برکت دے مجھ کو بازار کا راستہ بتا دو، اُنھوں نے ایک ہی دن میں بازار جا کر خرید و فروخت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے برکت دی شام کو لوٹتے ہیں تو نفع کی رقم بھی پاس ہے اور مال بھی، اُنھوں نے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر مالدار ہو کر شادی کر لی دیکھیے اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی کس طرح مدد کی۔

یاد رکھیے موت سے ڈر کر بھاگنا قطعاً درست نہیں۔ پاکستان میں یوپی اور بہار کے لوگ ہندوستان چھوڑ کر جا بسے، مغربی پنجاب میں گئے، لیکن آج یہ ہو رہا ہے کہ ہر بنگالی غیر بنگالی کا دُشمن ہے، مغربی پاکستان اور سندھ کا مُسلمان صُوبائی تعصّب میں مُبتلا ہے۔ یہاں یہ حالت ہے اور مدینہ والوں کا یہ حال تھا کہ مکّہ والوں پر فدا ہوتے تھے۔

ایک بڑا انگریز مؤرخ لکھتا ہے کہ جب سے دُنیا بنی ہے اس وقت سے آج تک کی تاریخ کے

صفحات اُلٹنے کے بعد ہم ایسی کوئی تاریخ نہیں پاتے کہ ایسی ہمدردی جیسی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے ماننے والوں نے مہاجرین کے ساتھ کی تھی کی گئی ہو، مدینہ والوں نے تمام سامان باہر سے آنے والوں کی خدمت میں آسائش کے لیے مشترک کر دیا تھا۔

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ سے تعلّق پیدا کرو، اور اسی سے مدد طلب کرو۔ نماز قائم کرو۔ اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ جب تمہاری کسی سے مڈبھیڑ ہوجائے تو دو باتیں کرو، جم کر مقابلہ کرو، قدم پیچھے مت ہٹاؤ اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو۔

مُسلمانو! خدا کی تعلیم پر عمل کرنے میں اگر جان جانے تک کی نوبت آجائے تو پروا مت کرو۔

(حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔)

تم تھوڑے تھے کمزور سمجھے جاتے تھے اور خود ڈرتے تھے۔ خدا نے تم پر احسان کیا، تم کو ٹھکانا دیا اپنی مدد سے تمہیں قوی بنایا اور تم کو اچھی اچھی چیزیں دیں تاکہ تم خدا کا شکرادا کرو، پھر کیا ہُوا، مُسلمان دن دونی رات چوگنی ترقّی کرنے لگا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا جب وصال ہُوا ہے تو مسلمانوں کی مردم شماری صرف چار لاکھ تھی۔ آج مُسلمانوں کی تعداد ۴۰ کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ یہ تعداد تشدّد کے ذریعہ نہیں بڑھی زبردستی لوگ مسلمان نہیں کیے گئے، بلکہ ہمارے بزرگوں کے اخلاق کریمانہ اور عمل صالح نے دُنیا کے گوشہ گوشہ میں اسلام کے ماننے والے پیدا کیے۔

ایمان اللہ پر یقین اور اُس کی حکمت پر تمام کاموں کا یقین اور عمل صالح، ان شرطوں پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم روئے زمین کی حکومت اور خلافت دے دیں گے اور تمہارے لیے کوئی خوف باقی نہیں رہ جائے گا اور کوئی مُسلمان غیر مُسلم سے نہیں ڈرے گا بلکہ غیر مسلم مُسلمانوں سے ڈریں گے۔

یہ سُن کر منافقین نے مذاق اُڑایا اور کہا کہ کس طرح رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) رومیوں اور پارسیوں اور دوسری بڑی قوموں کی بادشاہت کو زیر کرسکتے ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بشارت دی کہ تم روم فتح کرلوگے تو وہ مذاق اُڑاتے تھے، مگر آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کو پُورا کیا، غور فرمایئے کہ کتنے تھوڑے لوگ تھے اور بے سروسامان تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے بادشاہت عطا کی مُسلمانوں کا ان چیزوں کو بھول جانا بڑی غلطی ہے۔ آج ہم خدا کو بھول چکے ہیں اور اس کے رسُول کی سُنّت پر عمل کرنا چھوڑ چکے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر گھبراتے ہیں۔ ہندوستان میں پہنچ کر تمہاری

پورا کیا۔ اب تم عمل صالح اختیار کرو، ایک اور نیک ہو جاؤ، اپنوں اور غیروں سے بھی لڑائی اور جھگڑا مت کرو۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کی تابعداری کرو، جھگڑے مت کرو، اور اگر تم نے ایسا ہی کیا تو یاد رکھو تمہاری بندھی ہوئی ہوا اکھڑ جائے گی۔ تین چیزیں یاد رکھو، جھگڑا لڑائی نہ کرو اور اس کے رسول ؐ کی تابعداری کرو، صبر اور برداشت کرو۔ خدا صبر والوں کے ساتھ ہے اس لیے اگر خدا تمہارے ساتھ ہو گیا تو دُنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتی۔

سوچو تو سہی خدا تعالیٰ نے تمہاری انتہائی بے سرو سامانی کے باوجود تم کو روئے زمین کی بادشاہت دی، ایک دو دن نہیں یا ایک دو برس نہیں بلکہ آٹھ سو سال تک تم نے اس ملک پر حکمرانی کی ہے اس کے علاوہ بڑے بڑے ملک تمہاری بادشاہت میں رہے ہیں، لیکن کبھی اس پر بھی غور کیا کہ تمہاری گراوٹ کا سبب کیا ہے؟ بجز اس کے دوسرا کوئی سبب نہیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے دامن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو چھوڑ دیا۔

مگر میرے بھائی! مصیبت سے گھبرانا نہیں چاہیے اور اپنے اندر خوف و ہراس نہ ہونا چاہیے، اسی ہندوستان میں بہت سی اقلیتیں مثلاً سکھ، عیسائی پارسی، یہودی، بودھ مذہب والے اور پہاڑی قومیں بھی بستی ہیں، یہ سب کی سب ہندو نہیں ہیں، جس قدر تم ڈرپوک بنتے جا رہے ہو۔ یہ قومیں نہیں ہیں سوچنے کی بات ہے، تمہارے برابر کوئی اقلیت نہیں ہے، مقابلۃً تم سب سے زیادہ تعداد میں ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دوسری اقلیّتیں اپنے اندر اطمینان محسوس کرتی ہیں تجارتی میدان میں ترقّی کر رہی ہیں اور تم احساس کمتری کے پورے طور پر شکار بنتے چلے جا رہے ہو۔

اگر کوئی ڈراتا ہے یا تمہیں دھمکیاں دیتا ہے تو گھبراؤ نہیں، اگر کوئی فرقہ واریت پھیلاتا ہے یا بے ایمانی کی باتیں کرتا ہے تو تمہیں اپنی جگہ ہوش و حواس گم نہ کرنا چاہیے۔ مضبوطی کے ساتھ قائم رہو، اور اگر کوئی لڑنے کے لیے آئے تو پہلے تو اس کو سمجھاؤ اور اگر نہ مانے تو بھاگنے کی ضرورت نہیں، دفاع کرو، برابر کا جواب دو، ڈٹے رہو اور اپنی طرف سے کبھی ابتداء نہ کرو، اگر سمجھانے کے بعد وہ نہیں سمجھتا ہے تو ڈٹ کر مقابلہ کرو، اور چھٹی کا دودھ یاد دلا دو۔

تعداد دس کروڑ تک پہنچ جاتی ہے جس وقت انگریز نے ہندوستان تقسیم کرایا۔ ہندوستان کی آبادی ۴۰ کروڑ تھی، دس کروڑ سے زیادہ مسلمان تھے۔ تم نے آٹھ سو برس تک ہندوستان میں حکومت کی ہے جس قوم نے اتنے عرصہ تک اس ملک پر حکومت کی ہو اس کو اسی ملک میں گھبرانا نہ چاہیے، تقسیم اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے، اسی ملک میں رہتے ہو اور سراسیمگی اور اکثریت کا خوف طاری رہتا ہے۔ یہ اللہ پر توکل کے خلاف بات ہے۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جمعیۃ علماء نے ہمیشہ تمہاری رہنمائی کی ہے۔ یہی وہ جماعت ہے جس نے برابر حق بات تمہارے کانوں تک پہنچائی ہے۔

(حضرت شیخ الاسلام رحؒ نے مسلمانوں کو صبر و استقامت کی تلقین فرماتے ہوئے کہا۔)

جس قدر ممکن ہو اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کرو، امن و امان سے رہو، خداوند کریم ہماری حفاظت کرے گا، ایسی کتنی ہی مصیبتیں تم پر آچکی ہیں اور آتی رہیں گی، لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے پنجاب میں قادیانی تحریک چلی جس میں مسلمانوں کا ہی نقصان ہوا، آج تمام اعمال صالحہ کو ترک کرکے گھبراتے ہو اور ارادہ فرار اختیار کرتے ہو، اسلام یہ نہیں سکھاتا، وہ تو ہر ایک کے ساتھ خوش خلقی اور امن و امان کی تلقین کرتا ہے، اسلامی تعلیم تو یہ ہے کہ اگر تمہارے اُوپر کوئی ظلم کرتا ہے تو امن و امان کی تلقین کرو اور صبر سے کام لو، اسلام کی ابتداء ہی سے مشکلات کا آغاز ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر سختی سے عمل کرو اور واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ مشقتوں کا جھیل لینا اور نہ گھبرانا مومن کی شان ہے۔ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا کفر کی بات ہے، مدد جبھی کی جاتی ہے جب کسی قسم کی تکلیف ہوتی ہے، اور اگر پھولوں کی سیج پر ہوں تو پھر مدد کی ضرورت ہی کیا، یاد کرو خدا تعالیٰ نے تمہاری مدد بدر میں کی، احد میں کی اور خندق میں کی احد کی لڑائی میں مسلمان صرف ۷۰۰ تھے خندق میں ۴۰۰۰ تھے اور دُشمن ۱۲ سو کی تعداد میں تین لاکھ رومیوں کے مقابلہ میں مسلمان صرف ۸۰ ہزار تھے مگر فتح یاب ہوئے قادسیہ کے میدان میں جب کہ تم تھوڑی تعداد میں تھے۔ اللہ کی مدد سے کامیاب ہوئے۔

مگر بھائیو! تم سامان کی کمی، دولت کے نہ ہونے، اپنی قلت اور بے بسی کو دیکھ کر گھبراتے ہو، یہ دُرست نہیں ہے۔ خدا اگر تم سے راضی ہے اور مددگار ہے تو تم کسی طرح بے بس اور بے کس نہیں ہو سکتے، ہاں اگر تم نے خدا ہی کو بھلا دیا تو تم ختم ہو جاؤ گے۔ دیکھو خداوند کریم نے جو وعدہ کیا تھا

جمعیۃ علماء ہند مُسلمانوں کو ہندوستان میں باعزّت مقام دلانے کے لیے برابر کوشش کرتی رہی ہے اس نے ہمیشہ مسلمانوں کی پشت پناہی کی ہے اور صحیح معنوں میں مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے۔ جھگڑوں کے دفاع کے واسطے اس نے کوشش کی اور اسی طرح کے بہت سے مسائل کو حل کیا۔

حکومت نے حاجیوں کے اُوپر ایک نیا ٹیکس قائم کیا، چنانچہ جمعیۃ عُلماء ہند نے قانونی حیثیّت سے برابر کوشش کی آخر کار اس کی کوششوں سے نتیجہ نکلا اور حاجیوں کے اُوپر سے حکومت نے انکم ٹیکس سرٹیفکیٹ کا بوجھ اُٹھا لیا۔

اس وقت ہم کو تعلیم کی بہت زیادہ ضرورت ہے حکومت کسی مذہب کی تعلیم دلانے کی ذمّہ دار نہیں ہو سکتی وہ صرف دنیاوی تعلیم کی ذمّہ دار ہے، ایسے حالات میں بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ جمعیۃ علماء مسلسل اس بات کی کوشش کر رہی ہے کہ کسی طرح مسلمان بچّوں کی دینی تعلیم کا معقول انتظام ہو جائے، چنانچہ اس سلسلہ میں اُس نے ایک نصاب بھی تیّار کر لیا ہے جس کی کتابیں تیّار ہو چکی ہیں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ حالات کا جائزہ لیں اور اپنے وطن میں باعزّت زندگی گزارنے کے اسباب مہیّا کریں۔

مسلمانو! آپس کے نفاق کو مٹا ڈالو، ایک ہو کر دین کو ترقی دو، کم ہمتی اور بُزدلی کو پاس مت پھٹکنے دو خدا کی رضا اور خوشنودی کے لیے نیک کام کرو، اور اسی کی فرمانبرداری کرو، جو کام کرو اسی کی خوشنودی کے لیے کرو۔ تاکہ دُنیا و آخرت دونوں جگہ امن اور عافیت نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرے بندو! تم مجھے یاد کرو۔ ہم تمہیں یاد کریں گے، یہاں ہماری قبولیت کو تو انشاء اللہ کوئی دُشمن مغلوب نہیں کر سکتا۔ ہم نے خدا کو چھوڑ دیا تو خدا نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ تمہیں قوی القلب ہونا چاہیے۔ آپس میں صلح اور اتّفاق سے رہو اور غیروں سے نیک برتاؤ کرو۔ وآخر دعوانا الحمد للہ رب العٰلمین۔

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی (قسط ۲، آخری)

اسلام میں عفت و عصمت کی اہمیّت

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ (یا اُن کے سامنے جو اُن کی مملوک ہیں) ابھی پردہ کا بیان جاری ہے جب مسلمان شرعی جہاد کرتے تھے تو غلاموں باندیوں کے مالک ہوتے تھے جب شرعی جہاد کو چھوڑا ہے۔ کافروں کے ساتھ معاہدوں میں بند گئے ہیں۔ اس وقت سے غلاموں اور باندیوں سے محروم ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ وہ دن پھر لائے کہ مُسلمان اسلام کے اُصول پر جہاد کریں اور پھر کافر قیدیوں کو غلام اور باندی بنائیں۔ جب غلام اور باندی ہوتے تھے تو عورتیں بھی اُن کی مالک ہوتی تھیں۔ اس وقت یہ سوال بھی درپیش ہوتا تھا کہ عورت کا اپنے غلام سے اپنی باندی سے کتنا پردہ ہے۔ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ میں اسی کو بتایا ہے جس کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر ائمہ نے فرمایا ہے کہ اس سے صرف باندیاں مُراد ہیں۔ مردِ مملوک یعنی غلام مراد نہیں ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ پہلے کہتے تھے کہ غلام اور باندی کا ایک ہی حکم ہے۔ بعد میں اُنھوں نے رجوع فرمالیا اور فرمایا لا یغرنکم آیۃ النور فانھا فی الاناث دون الذکور (یعنی تم سورۂ نور کی آیت کی وجہ سے دھوکہ میں مت پڑنا کیونکہ وہ مملوکہ عورتوں کے بارے میں ہے مملوک مردوں کے بارے میں نہیں ہے) صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عورت کا غلام اگرچہ اس کا مملوک ہے لیکن وہ مرد ہے نہ محرم ہے نہ شوہر ہے اور شہوت متحقق ہے لہٰذا مملوک غلام کا وہی حکم ہوگا جو اجنبی مردوں کا حکم ہے۔ علامہ قرطبیؒ نے احکام القرآن جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۳ و صفحہ ۲۳۴ میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عامر شعبی اور حضرت مجاہد اور حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ غلام مملوک اپنی آقا عورت کے بالوں پر نظر نہ ڈالے۔

اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ (یا ان مردوں کے سامنے جو طفیلیوں کے

طور پر ہوں جنھیں حاجت نہیں ہے) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بدحواس اور مغفّل قسم کے لوگ ہوں جن کو شہوت سے کوئی واسطہ نہیں عورتوں کے احوال اور اوصاف سے کوئی دلچسپی نہیں اور انہیں بس کھانے پینے کو چاہیے طفیلی بن کر پڑے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے سامنے عورتیں اگر زینت ظاہر کر دیں تو یہ بھی جائز ہے۔ یعنی یہ لوگ بھی محارم کے درجہ میں ہیں۔ آیت کا یہ مطلب حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اُنھوں نے فرمایا ھٰذا الرجل یُتبع القومَ وھو مغفّلٌ فی عقلہ لا یکترث للنساء ولا یشتھی عن نساء (درمنثور ج ۵ ص ۴۳) حضرت طاؤس تابعیؒ سے بھی اسی طرح کے الفاظ منقول ہیں اُنھوں نے فرمایا ھو الاحق الذی لاحاجۃ لہ فی النساء (حوالہ بالا) یاد رہے کہ اگر ایسے مردوں کے سامنے عورت گھرے پردہ کا اہتمام نہ کرے تو اس کی اجازت تو ہے لیکن عورتوں کو ان پر شہوت کی نظر ڈالنا جائز نہیں ہے۔

حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہ کی قرآن مجید کے الفاظ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ ——— کی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ ان مردوں کے سامنے عورتیں آ سکتی ہیں جو غافل ہوں مغفّل ہوں بے عقل ہوں نہ ان میں شہوت ہو نہ عورتوں کی طرف رغبت ہو ان میں بُوڑھے مرد ہوش گوش عقل اور سمجھ اور شہوت والے اور ہیجڑے داخل نہیں ہیں۔ عورتیں ایسے لوگوں کو بوڑھا سمجھ کر یا بابا دادا کہہ کر سامنے آجاتی ہیں یہ گناہ کی بات ہے۔ نیز اگر کوئی شخص نامرد ہو یا اس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو وہ بھی غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ میں شامل نہیں ہے اور اس کے سامنے آنا بھی ممنوع ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اپنی اہلیہ مطہرہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے وہاں گھر میں اس وقت ایک مخنث (ہیجڑا) بھی تھا۔ اس ہیجڑے نے حضرت ام سلمہ کے بھائی سے کہا کہ اے عبداللہ اگر اللہ تعالےٰ نے طائف کو فتح فرما دیا میں تجھے غیلان کی بیٹی بتا دوں گا۔ وہ جب سامنے سے آتی ہے تو اس کے پیٹ میں چار شکنیں ہوتی ہیں اور جب پیٹھ موڑ کر جاتی ہے تو اس کی کمر سے آٹھ شکنیں نظر آتی ہیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی بات سُن کر ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ہرگز تمہارے گھروں میں نہ آئیں۔ قال صاحب الھدایۃ الخصی فی النظر الی الاجنبیۃ کالفحل لقول عائشۃ رضی اللہ عنہا الخصاء مثلۃ فلا یبیح ماکان حرامًا قبلہ ولانہ فحل یجامع وکذا المجبوب لانہ یسحق وینزل وکذا المخنث فی الردی من الافعال لانہ فحل فاسق والحاصل انہ یؤخذ فیہ بحکم کتاب اللہ المنزل

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ (یا ان لڑکوں کے سامنے جو عورتوں کی پردہ کی چیزوں پر مطلع نہیں ہوئے) یعنی وہ نابالغ لڑکے جو عورتوں کے مخصوص حالات اور صفات سے بالکل بے خبر ہیں ان کے سامنے عورتیں آسکتی ہیں اور جو لڑکا عورتوں سے متعلقہ احوال اور اوصاف کو جانتا اور سمجھتا ہو اس سے پردہ کرنا واجب ہے۔

وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ (اور عورتیں اپنے پاؤں کو نہ ماریں یعنی زور سے نہ رکھیں تاکہ ان کا پوشیدہ زیور معلوم نہ ہو) عورتوں کو زیور پہننا تو جائز ہے، بشرطیکہ دکھاوے کے لیے نہ ہو، اور جو زیور پہنے اس میں یہ شرط ہے کہ بجنے والا زیور نہ ہو نہ تو زیور کے اندر کوئی بجنے والی چیز ڈالے اور نہ ایسا زیور ہو جو آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر بجے اور نہ زور سے پاؤں مار کر چلے کیونکہ ایسا کرنے سے غیر محرم زیور کی آواز سُن لیں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک لڑکی لائی گئی وہ بجنے والا زیور پہنے ہوئے تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب تک اس کا یہ زیور نہ کاٹ دو۔ ہرگز میرے پاس نہ لاؤ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں بجنے والی چیز ہو۔

(رواہ ابو داؤد)

جب زیور کی آواز سُنانا جائز نہیں تو نامحرموں کو خوشبو سنگھانا بطریقِ اولیٰ ممنوع ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (نظر بد ڈالنے والی) ہر آنکھ زنا کار ہے اور کوئی عورت عطر لگا کر (مردوں کی) مجلس کے قریب سے گزرے تو ایسی ہے ویسی ہے یعنی زنا کار ہے۔ (رواہ ابو داؤد)

وَ تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اے مومنو تم سب اللہ کے حضور میں توبہ کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ) اس میں مومن مردوں اور عورتوں کو حکم دیا کہ سب اللہ کے حضور میں توبہ کرو۔ توبہ کرنے میں کامیابی ہے۔ ہر طرح کے تمام گناہوں سے توبہ کریں، اور نفس و نظر سے جو گناہ صادر ہو گئے ہوں ان سے خاص طور سے توبہ کریں۔ نفس و نظر کا ایسا گناہ ہے جس پر دوسروں کو اطلاع نہیں ہوتی اور نظروں کو اور نفسوں کے ارادوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا وہ جانتا ہے جو مُبتلائے معصیت ہو۔ کسی مرد نے کسی مرد یا عورت کو بُری نظر سے دیکھ لیا یا کسی عورت نے کسی مرد کو نفسانیت والی نظر سے

دیکھ لیا تو اس کا اس شخص کو پتہ نہیں جس پر نظر ڈالی ہے اور نہ کسی دوسرے شخص کو پتہ چلتا ہے اپنے نفس و نظر کی خود ہی نگرانی کرتے رہیں اور ہر گناہ سے توبہ کریں۔

تکمیل

جن لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ چہرہ کا پردہ نہیں ہے اُن کی اس بات کی تردید کئی وجوہ سے ہم نے گزشتہ صفحات میں کر دی ہے تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی مزید تردید کی جائے تاکہ عامۃ المسلمین ان لوگوں کی باتوں کو بہانہ بنا کر بے پردگی کا بہانہ نہ بنا لیں۔ یُوں ہی لوگوں میں بے دینی ہے اور عفت و عصمت سے دُشمنی ہے۔ اُوپر سے انہیں یہ مفت کے مفتی مل گئے جنھوں نے کہہ دیا کہ چہرہ پردہ میں نہیں ہے۔ اوّل تو سورۂ احزاب کی آیت وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ہی ان کی تردید کے لیے کافی ہے۔ اور جب تم ان سے کسی برتنے کی چیز کا سوال کرو تو ان سے پردہ کے پیچھے سے مانگو، اگر چہرہ پردہ میں نہیں ہے تو پردہ کے پیچھے سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے یُوں بھی عورتیں عام طور سے گھروں میں ننگی تو نہیں رہتیں عمومًا ہاتھ اور چہرہ کھلا رہتا ہے۔ اگر چہرہ کا پردہ نہیں تو نامحرم مردوں کو کوئی چیز لینے کے لیے اجازت لے کر اندر چلا جانا چاہیے یا عورتیں باہر آکر دے دیں۔ جب پردہ کے باہر سے طلب کرنے کا حکم فرمایا تو معلوم ہُوا کہ چہرہ ہی اصل پردہ کی چیز ہے۔ پھر اس میں صیغۂ امر بھی ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے ان جاہلوں کی بات کی بھی تردید ہو گئی جو یُوں کہتے ہیں کہ چہرہ کا ڈھانپنا اعلیٰ و افضل ہے واجب نہیں ہے۔

اب سورۂ احزاب کی ایک اور آیت سُنیے۔ ارشادِ ربّانی ہے یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ (اے پیغمبر اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے بھی کہہ دیجیے کہ نیچی کر لیا کریں اُوپر والی اپنی چادریں) اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اُمِرَ نِسَاءُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْ یُّغَطِّیْنَ رُءُ وْسَهُنَّ وَوُجُوْهَهُنَّ بِالْجَلَابِیْبِ اِلَّا عَیْنًا وَّاحِدَةً لِیُعْلَمَ اَنَّهُنَّ حرائر

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۴۴)

یعنی مومنین کی عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سروں کو اور چہروں کو بڑی بڑی چوڑی چکلی چادر

میں ڈھانکے رہا کریں۔ صرف ایک آنکھ کھلی رہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ باندیاں نہیں ہیں۔

یاد رہے کہ یہ وہی ابن عباسؓ ہیں جن کی طرف الا ماظھر منھا کی تفسیر الوجه والکفان سے منسوب ہے اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے جو یہ فرمایا ہے کہ الا ماظھر منھا سے وجہ و کفین مراد ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کھلا چہرہ لے کر نامحرموں کے سامنے آجایا کریں یا چہرہ کھول کر باہر نکلا کریں۔ جب انھوں نے اس دوسری آیت کی تفسیر میں یہ فرما دیا کہ بڑی چادروں سے اپنے سر اور چہرہ کو ڈھانکے رہیں۔ دیکھنے کی ضرورت سے صرف ایک آنکھ کھلی رہے تو معلوم ہوا کہ الا ماظھر کی تفسیر میں جو انھوں نے وجہ اور کفین فرمایا ہے۔ اس سے گھروں میں رہتے ہوئے چہرہ اور ہاتھ کھلے رہنے کی اجازت مراد ہے۔

شیطان بُرے بُرے وسوسے ڈالتا ہے اور گمراہی کے راستے دکھاتا ہے اس نے پردے کے مخالفین کو یہ بات سجھائی ہے کہ پردہ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے لیے ہے اور انہی کے لیے مخصوص ہے۔ ان لوگوں کی اس جاہلانہ بات کی تردید سورہ احزاب کے الفاظ کی تصریح سے واضح طور پر تردید ہو رہی ہے۔ کیونکہ اس میں لفظ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ واضح طور پر موجود ہے۔ پھر ایک موٹی سمجھ والا انسان بھی (جسے خوفِ خدا ہو) یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جب ازواجِ مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم ہے جن کے بارے میں وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ (اور آپ کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ہیں) فرمادیا۔ جن پر کسی مؤمن کی بُری نظر پڑنے کا احتمال ہی نہ تھا تو اُن عورتوں کے لیے پردہ کا حکم کیونکر نہ ہوگا۔ جن کی طرف قصداً بُری نظریں اُٹھائی جاتی ہیں اور جو خود مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ کیا کسی صحیح العقل انسان کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ خاندانِ نبوّت کی چند خواتین کو پردہ کا حکم دے کر اُمت کی کروڑہا عورتوں کو قدیم زمانہ کی جاہلیت اولیٰ کی طرح بے پردہ ہو کر باہر پھرنے کی اجازت دے دی ہو۔

اب احادیث شریفہ کا مطالعہ کیجیے۔ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر نظر پڑی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے کی آواز سنی تو حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی اور انھوں نے فرمایا اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ صفوان نے مجھے پردہ کا حکم نازل ہونے

سے پہلے دیکھا تھا اسی سے سمجھ لیا جائے کہ پردہ کا جو حکم نازل ہوا تھا وہ چہرے سے بھی متعلق تھا ورنہ انہیں چہرہ ڈھانپنے کی ضرورت نہ تھی۔ (یہ واقعہ بخاری شریف سورۂ نور کی تفسیر میں مذکور ہے)

نیز چند صفحات پہلے یہ واقعہ بحوالہ صحیح بخاری گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے وہیں ایک ہیجڑا بھی تھا۔ اس نے حضرت ام سلمہؓ کے بھائی سے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے طائف کو فتح کر دیا تو میں تمہیں غیلان کی بیٹی بتا دوں گا جو ایسی ویسی ہے۔ اس پر رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ہرگز تمہارے گھروں میں داخل نہ ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ" آپ کے پاس (اندرونِ خانہ) اچھے بُرے لوگ آتے جاتے ہیں (وہاں امہات المؤمنین بھی ہوتی ہیں) اگر آپ امہات المؤمنین کو پردہ کرنے کا حکم دے دیتے تو اچھا ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ والی آیت نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری ص ۷۰۶) اس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ کی آیت میں نامحرموں کے سامنے چہرے ڈھانپنے کا حکم نازل ہوا۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی کپڑے پہنے ہوئے ہی بیٹھی رہتی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت اور سُنیے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ شب گزار کر صبح کو ولیمہ کیا تو خوب بڑی دعوت کی۔ لوگ آتے رہے اور کھاتے رہے جاتے رہے کھانے سے فارغ ہو کر سب لوگ چلے گئے، لیکن تین اصحاب رہ گئے۔ وہ باتیں کرتے رہے۔ آپ کے مزاج میں حیاء بہت تھی آپ نے ان سے نہیں فرمایا کہ تم چلے جاؤ، بلکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف چلے گئے۔ جب میں نے آپ کو خبر دی کہ وہ لوگ چلے گئے تو آپ واپس تشریف لے آئے میں آپ کے ساتھ (حسبِ عادت داخل ہونے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور آیت حجاب یعنی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ (آخر تک) اللہ تعالیٰ نے نازل فرمادی (صحیح بخاری ص ۷۰۷/ ۷۰۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ پُرانے خادم تھے۔ دس برس تک انھوں نے آپ کی خدمت کی۔ جب پردہ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے پردہ ڈال دیا اور حضرت انس کو اندر آنے نہیں دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے جو حضرت انس اندر گھروں میں ــــ آتے جاتے تھے کیا ازواج مطہرات کپڑے نہیں

پہن کر نہیں رہتی تھیں۔ ان کی جو نظر پڑتی تھی کیا چہرہ کے سوا کسی اور جگہ بھی پڑتی تھی۔ اگر چہرہ پردہ میں نہیں تو ان کو اندر جانے سے کیوں روکا گیا۔ ازواجِ مطہرات سے فرما دیتے کہ اس کو آنے جانے دو صرف چہرہ کھلا رکھا کرو، لیکن وہاں مستقل داخل ہونے پر پابندی لگا دی گئی۔ اسی سے سمجھ لیا جائے کہ پردہ کا جو حکم نازل ہُوا اس میں اصل چہرہ ہی کا چھپانا ہے۔ ورنہ جسم کے دوسرے حصّے پہلے بھی نامحرموں کے سامنے ظاہر نہیں کیے جاتے تھے۔

سنن ابو داؤد کتاب جہاد میں ہے کہ حضرت اُم خلّاد کا صاحبزادہ ایک جہاد کے موقع پر شہید ہو گیا تھا۔ وہ چہرہ پر نقاب ڈالے ہُوئے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہُوئیں ان کا یہ حال دیکھ کر کسی صحابی رضؓ نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کا حال معلوم کرنے کے لیے آئی ہو اور نقاب ڈالے ہُوئے ہو؟ حضرت ام خلّاد نے جواب دیا، اگر بیٹے کے بارے میں مصیبت زدہ ہو گئی ہوں تو اپنی شرم و حیا کھو کر ہرگز مصیبت زدہ نہ بنوں گی۔ (یعنی حیا کا چلا جانا ایسی مصیبت زدہ کر دینے والی چیز ہے جیسے بیٹے کا ختم ہو جانا) حضرت ام خلّاد کے پُوچھنے پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جواب دیا کہ تمہارے بیٹے کے لیے دو شہیدوں کا ثواب ہے اُنھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں؟ ارشاد فرمایا اس لیے کہ اسے اہلِ کتاب نے قتل کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۶۔)

اس واقعہ سے بھی ان مغرب زدہ مجتہدین کی تردید ہوتی ہے جو چہرہ کو پردہ سے خارج کرتے ہیں اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پردہ ہر حال میں لازم ہے رنج ہو یا خوشی نامحرم کے سامنے بے پردہ ہو کر آنا منع ہے بہت سے مرد اور عورتیں ایسا طرز اختیار کرتے ہیں کہ گویا ان کے نزدیک شریعت کا کوئی قانون مصیبت کے وقت لاگو نہیں ہے، جب گھر میں کوئی موت ہو جائے تو اس بات کو جانتے ہُوتے کہ نوحہ کرنا سخت منع ہے۔ عورتیں زور زور سے نوحہ کرتی ہیں جنازہ جب گھر سے باہر نکالا جاتا ہے تو عورتیں دروازے کے باہر تک اس کے پیچھے چلی آتی ہیں اور پردہ کا کچھ خیال نہیں کرتیں، خوب یاد رکھو، غصّہ ہو یا رضامندی خوشی ہو یا مصیبت ہر حال میں احکامِ شریعت کی پابندی کرنا لازم ہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حج وعمرہ کے مسائل بیان کرتے ہُوئے ارشاد فرمایا ہے کہ لا تنتقب المحرمۃ (مشکوٰۃ) یعنی احرام والی عورت نقاب نہ ڈالے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ نبوّت میں عورتیں چہروں پر نقاب ڈال کر باہر نکلتیں تھیں۔ یاد رہے کہ حکم یہ ہے کہ عورت حالتِ احرام میں

چہرہ پر کپڑا نہ لگائے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ نامحرموں کے سامنے چہرے کھلے رہیں یہ جو عورتوں میں مشہور ہے کہ حالتِ احرام میں پردہ نہیں یہ غلط ہے اس غلط فہمی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث سے دُور کرلیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ ہم حالت احرام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے گزرنے والے اپنی سواریوں پر ہمارے پاس سے گزرتے تھے تو ہم اپنی چادریں اپنے سَر سے آگے بڑھا کر چہرہ کے سامنے لٹکا لیتے تھے۔ جب وہ لوگ آگے بڑھ جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتے تھے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۶ از ابی داؤد)

اللہ تعالیٰ مُسلمانوں کو اسلام پر چلنے کی توفیق دے اور نئے مجتہدین کے شر سے بچائے۔

بقیہ: درسِ حدیث

آدمی آئے جو تجھے محبوب ہو۔ "فَجَاءَهٗ عَلِیٌّ" اچانک حضرت علی رضی اللہ عنہ آگئے فَاَکَلَ مَعَهٗ اُنھوں نے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ کر کھایا کھانا، یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا اُس لشکر میں حضرت علیؓ بھی تھے۔ کہتی ہیں کہ مَیں نے بعد میں (حضرت علیؓ کی) غیر موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دُعا سُنی آپ نے اپنے دونوں دستِ مُبارک اُٹھا رکھے تھے اور یہ فرما رہے تھے۔ "اَللّٰھُمَّ لَا تُمِتْنِیْ حَتّٰی تُرِیَنِیْ عَلِیًّا" خداوندِ کریم مجھے اُس وقت تک موت نہ آئے جب تک میں علی کو نہ دیکھ لوں، گویا علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھنے کی طلب تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، اور یاد آرہے تھے جی چاہ رہا تھا دیکھنے کو یہ ساری روایتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبّت اور اُن کی فضیلت بتلاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں اُن کا ساتھ نصیب فرمائے۔ (آمین)

شخصیات

(قسط : ۲ ، آخری)

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری

(سیرت و سوانح)

پروفیسر خالد بزمی صاحب

عقیدہ و مسلک

حنابلہ اور عوام کی اِس ہنگامہ آرائی کے بعد ابنِ جریر نے اُن کی غلط فہمی دُور کرنے کے لیے 'الاعتقاد'[1] کے نام سے ایک مختصر سی کتاب لکھی جس میں مشہور مسائل سے متعلق اُن کے عقیدہ و مسلک کی وضاحت تھی۔ ابن جریر نے اِس کتاب میں جن مسائل کا ذکر کیا ہے۔ اُن میں سے چند مشہور مسائل کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ رویتِ باری تعالیٰ
۲۔ مسئلہ جبر و قدر
۳۔ سب سے با فضیلت صحابی
۴۔ مسئلہ امامت
۵۔ ایمان کی کمی و بیشی
۶۔ اسماء و صفاتِ ربّانی

وغیرہ

ان مسائل کے سلسلے میں ابنِ جریر نے جو کچھ لکھا ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن جریر کا عقیدہ

---

[1] الاعتقاد مرتبہ ابن فضل اللہ العمری ص ۵

ومسلک اہل سُنّت والجماعت کے بالکل مطابق تھا۔ آج کچھ لوگ چند غلط فہمیوں کی بناء پر اُن کو شیعہ قرار دیتے ہیں۔ یہ رائے ایک عظیم غلط فہمی ہے۔ یہ مسئلہ ابنِ جریر کی زندگی سے لے کر اب تک متنازعہ فیہ رہا ہے، لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ شیعہ ہرگز نہ تھے۔

معجم الادباء کے مصنّف یاقوت رُومی نے لکھا ہے۔

قال غیر الخطیب[1]: وَدفن لیلاً خوفاً مِن العامّۃِ لانّہٗ یتھم بالتشیع کہ خطیب (بغدادی) کے علاوہ کسی اور کا کہنا ہے کہ وہ عوام کے ڈر سے رات کے وقت دفن کیے گئے، کیونکہ اُن پر شیعیّت کی تہمت تھی۔

اِس عبارت میں "یتھم" کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ محض اتّہام یا تہمت ہی تھی جس کا حقیقت سے کوئی تعلّق نہیں تھا۔

ابنِ جریر کے تذکرہ نگاروں کی بہت سی کتابوں میں اس غلط فہمی کا ازالہ نہیں کیا گیا، لیکن حافظ[2] ابنِ حجر العسقلانی نے اپنی کتاب 'لسان المیزان' میں لکھا ہے کہ اِس غلط فہمی کا باعث دراصل یہ بات تھی کہ ایک ہی نام پر دو مختلف شخصیات گزری ہیں۔ ایک ابوجعفر محمّد بن جریر الطبری مشہور مفسّر اور مؤرّخ ہیں جو اہلِ سُنّت کے امام تھے۔ اور دوسرے ابوجعفر محمّد بن جریر الطبری شیعہ بلکہ سخت رافضی تھے۔

لیکن ناموں کے اشتراک اور مناسبت نے ہمارے زیرِ موضوع ابنِ جریر کی شخصیت کو خلط ملط کر دیا ہے، کیونکہ اُن میں سے ہر ایک کی کنیت ابوجعفر، نام محمّد، باپ کا نام جریر، علاقائی نسبت الطبری اور زمانہ ایک ہے۔ دونوں میں اگر کوئی وجہ امتیاز ہے تو وہ سنِ ولادت، سنِ وفات اور اجداد کے ناموں کا اختلاف ہے۔

اِس اعتبار سے ہمارے زیرِ موضوع شخصیّت کا پُورا نام ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری، اور متنازعہ شخصیّت کا نام اُبوجعفر محمد بن جریر بن رستم الطبری ہے۔ مؤخّر الذکر کو بعض کتابوں میں ابوجعفر الرستمی یا ابنِ جریر الرستمی بھی لکھا گیا ہے، لیکن اِس فرق سے بے خبر عوام کی طرف سے یہ معاملہ اشکال آمیز اور دقّت خیز بھی ثابت ہُوا ہے، لیکن عام طور پر عُلماء اِس فرق سے باخبر رہے ہیں۔

---

[1] معجم الادباء ج ۱۸   [2] لسان المیزان ج ۵ ص ۱۰۰، ۱۰۱

حافظ ابن حجر نے دونوں کے حالات لکھ کر معتدبہ فرق وامتیاز پیدا کر دیا ہے، چنانچہ اب دونوں کے اجداد کے نام یزید اور رستم واضح اختلاف کا کام دیتے ہیں۔

کسبِ معاش

ابنِ جریر کے تذکرہ نگاروں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابنِ جریر اقتصادی اعتبار سے خوش حال اور فارغ البال تھے۔ اُنہیں کسی قسم کی کوئی معاشی فکر یا پریشانی نہ تھی اور وہ اطمینان و بے فکری کے ساتھ علمی مشاغل میں مصروف رہ سکتے تھے۔

ابنِ جریر نے ایک موقعہ پر ابوبکر بن کامل کو اپنے عہدِ طفولیت کے کچھ حالات بتائے تو یہ بھی بتایا کہ میرے والد کو میری تعلیم کے سلسلے میں میری مدد کرنے کی حرص پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے والد کو حتی الامکان اُن کی سہولیات کا خیال رہتا تھا۔

معجم الادباء[1] میں ایک شخص سلیمان بن خاقانی کے ایک حوالے سے بیان ہوا ہے کہ ابن جریر کو ہر سال حاجیوں کے ہاتھ اُن کی جاگیر سے کچھ آمدنی ہوا کرتی تھی جو جاگیر اُن کے والد نے اُن کے حصّے میں دے دی تھی۔

ابو محمد الفرغانی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اُس حصّے پر مطمئن تھے جو اُن کے والد اُن کے لیے طبرستان میں چھوڑ گئے تھے اور اُنہیں ہر سال بغداد میں آجایا کرتا تھا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں بھی کچھ الفاظ ملتے ہیں جو کسی حد تک ان کے معاشی حالات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

--- Cast upon his own resources after his father's death, he was appointed tutor to the son of the vizier Ubaid Ullah

عبید اللہ بن یحیٰی کے بیٹے کے اتالیق مقرّر ہونے کا واقعہ اُن کے باپ کی وفات کے بعد کا ہے جیسا کہ اِس عبارت سے ظاہر ہے۔ اس وقت کے امراء و وزراء اُن کو عطیات و تحائف بھیجا کرتے تھے لیکن اُن کے سوانح کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبول نہیں کرتے تھے۔

---

[1] معجم الادباء ج ۱۸ [2] انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ج ۲۱ ص ۲۸۷

ایسے تمام واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں کوئی معاشی پریشانی نہ تھی۔

شکل و صورت

ابنِ جریر[1] کا رنگ گندم گوں تھا۔ اُن کی آنکھیں موٹی موٹی اور قد لمبا تھا۔ اُن کی ڈاڑھی بھی لمبی تھی۔ سر اور ڈاڑھی کے بالوں میں سفیدی کے مقابلے میں سیاہی زیادہ تھی۔ وہ بالوں کو کبھی خضاب نہیں لگاتے تھے۔

اطوار و عادات

ابن جریر کے اطوار و عادات کے بارے میں مختلف کتابوں میں جو ذکر ملتا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

عبدالعزیز[2] بن محمد الطبری کہتے ہیں۔" وہ پرہیز، اجتناب، پاکیزگی اور تقوای کے بہت پابند تھے اس پر کتابِ آداب النفوس دلالت کرتی ہے۔"

اُنھیں[3] قرآن کے مطالعہ سے ایک والہانہ شغف تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ ہر رات چوتھائی یا اس سے زیادہ حصہ قرآن پڑھا کرتے تھے۔

وہ[4] دُنیا اور اہلِ دُنیا سے حتی الامکان الگ رہتے تھے۔ اپنی ذات کو دُنیا کی طلب سے بلند رکھتے تھے۔ جب[5] کوئی دوست یا واقف اُن کو کوئی تحفہ بھیجتا تو وہ اگر بدلہ دے سکتے تو قبول کر لیتے، ورنہ وہ تحفہ معذرت کے ساتھ واپس کر دیتے تھے۔

ابوالہیجا[6] بن حمدان نے اُن کے پاس تین ہزار دینار بھیجے۔ جب اُنھوں نے اُن کو دیکھا تو حیرت کا اظہار کیا۔ پھر کہنے لگے میں جس چیز کا بدلہ نہ دے سکوں، وہ قبول نہیں کرتا۔ میں اِن کا بدلہ کہاں سے دوں گا۔ ان سے کہا گیا۔ اِن کے بدلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اُنھوں نے تو یہ بھیج کر خدائے بزرگ و برتر کا قرب حاصل کرنا چاہا ہے، لیکن ابنِ جریر نے اُن دیناروں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور وہ واپس کر دیے۔

مشہور کتاب الاغانی کے مصنّف ابوالفرج الاصفہانی اُن کے پاس آیا جایا کرتے تھے اور اُن کو اپنی کتابیں پڑھ کر سُنایا کرتے تھے۔ ایک بار ابوجعفر کو اپنے تخت پوش کے لیے ایک چٹائی کی ضرورت

---

[1] معجم الادباء ج ۱۸ ص ۴۰ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً [6] ایضاً [7] ایضاً

پیش آئی۔ ابوالفرج الاصفہانی نے تخت پوشش کا ناپ لے کر چٹائی تیار کرادی جو بالکل برابر اور مناسب تھی۔ جب ابوالفرج[1] یہ چٹائی دے وا واپس جانے لگے تو ابنِ جریر نے اُن کے بیٹے کو پاس بلا کر چار دینار دیے۔ ابوالفرج نے لینے سے انکار کیا تو ابوجعفر نے کہا۔ یہ دینار بچّے کے پاس رہنے دو۔ ورنہ میں یہ چٹائی قبول نہیں کروں گا۔

اُن[2] کے ہمسایہ ابوالحسن المحتز نے اُن کو تحفہ کے طور پر دو چوزے بھیجے تو اُنھوں نے اُس کے بدلے میں ایک کپڑا بھیج دیا۔

سلیمان بن[3] خاقانی کا کہنا ہے۔ ابوعلی محمد بن عبیداللہ وزیر نے ابوجعفر کے پاس کچھ انار بھیجے۔ اُنھوں نے قبول کرلیے اور اُن کو اپنے ہمسائیوں میں بانٹ دیا۔ پھر کچھ روز بعد اُس نے ایک تھیلی بھیج دی، جس میں دس ہزار درہم تھے اور ساتھ رقعہ لکھا کہ وہ اُن کو ضرور قبول کرلیں۔ ورنہ اپنے مستحق احباب میں تقسیم کردیں۔ میں وہ تھیلی لے کر گیا اور دروازے پر دستک دی۔ وہ مجھ سے مانوس تھے ان کا معمول یہ تھا کہ وہ درس کے بعد گھر چلے جاتے تو کوئی شخص اُن کی علمی مصروفیت کے باعث کسی نہایت ضروری کام کے علاوہ اُن کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے اُن کو اطّلاع بھجوائی کہ میں وزیر کی طرف سے ایک ضروری رقعہ لے کر آیا ہوں۔ اُنھوں نے مجھے اجازت دے دی۔ مَیں اندر گیا اور وزیر کا رقعہ دکھایا۔ وہ پڑھ کر کہنے لگے۔ 'خدا ہماری اور اُن کی مغفرت کرے۔ اُنھیں میرا اسلام دیجیے اور کہیے کہ پھر انار ہی ارسال فرمایئے اور درہم قبول کرنے سے انکار کردیا۔ مَیں نے اُن سے کہا۔ آپ اِن کو اپنے ضرورت مند احباب میں تقسیم فرمادیجیے۔ اُنھوں نے کہا۔ جب وزیر کا یہ ارادہ ہو تو وہ خود لوگوں کو مجھ سے بہتر طور پر جانتے ہیں۔ اُنھوں نے رقعہ کا جواب لکھا اور مَیں واپس آگیا۔

ابن کامل کہتے ہیں۔ مَیں[4] نے اُن کو کبھی گنگناتے یا خدا کی قسم کھاتے ہوئے نہیں دیکھا وہ دراز ریش اور نہایت وضعدار تھے۔

ابن جریر کھانے کے سلسلے میں آداب کے بہت پابند تھے۔ ابن کامل کہتے ہیں۔ مَیں نے ابوجعفر[5] سے زیادہ عمدہ طریق سے کھانے والا کوئی نہیں دیکھا۔ وہ اپنا ہاتھ برتن میں ڈالتے اور اس سے ایک لقمہ لیتے۔ پھر جب دوسرا لقمہ لینے لگتے تو اُس سے پہلے لقمہ کی وجہ سے برتن پر جو کچھ لگ گیا ہوتا۔ اُس کو

---

[1] معجم الادباء ج ۱۸ [2] ایضاً ج ۱۸ ص ۸۷ [3] ایضاً ج ۱۸ ص ۸۷ [4] ایضاً ج ۱۸ [5] ایضاً ج ۱۸ ص ۸۹

صاف کر لیتے اور اس طرح اُن کے برتن کا صرف ایک ہی کنارہ آلودہ ہوتا تھا۔

جب وہ لقمہ[۱] لینے لگتے تو بسم اللہ پڑھتے اور اپنا دوسرا ہاتھ ڈاڑھی پر رکھ لیتے تاکہ اس پر کھانے کا کوئی ریزہ یا شوربے کا کوئی قطرہ نہ گرے۔ پھر جب لقمہ اُن کے منہ میں پہنچ جاتا تو وہ اپنا ہاتھ ہٹا لیتے تھے۔

جب وہ کسی[۲] جگہ بیٹھے ہوتے تو اُن کے ناک کرنے یا تھوکنے کی آواز نہیں آتی تھی۔ کسی نے کبھی ان کی ناک کا لعاب نہیں دیکھا۔ جس وقت وہ منہ کا لعاب صاف کرنا چاہتے تو اپنے رومال کا پلّو لیتے اور اپنے مُنہ کی دونوں طرفوں کو پونچھ لیتے تھے۔

جب[۳] وہ دوپہر کو کھانے سے فارغ ہو جاتے تو ایک کوتاہ آستین قمیص (جو صندل اور گلاب کے پانی سے رنگی ہوتی تھی) پہن کر بوریے پر سو جاتے۔ پھر اُٹھتے تو ظہر کی نماز گھر میں ہی پڑھتے۔ عصر تک تصنیف تالیف کا کام کرتے۔ پھر باہر جاتے تو عصر کی نماز پڑھتے اور مغرب تک لوگوں کو پڑھاتے اور اُن سے گزشتہ سبق سُنتے۔ پھر عشاء تک فقہ اور درس کے لیے مجلس منعقد کرتے۔ اس کے بعد اپنے گھر واپس آتے۔ اور اُنھوں نے خدائے بزرگ و برتر کی توفیق کے مطابق اپنے روز و شب کو اپنی ذات، اپنے دین اور لوگوں کی بہتری کے لیے تقسیم کر رکھا تھا۔

پھلوں[۴] میں اُن کو انگور اور انجیر بہت پسند تھے۔ اُن کے لیے اکثر بکریوں کا تازہ دُودھ لیا جاتا۔ وہ اُس کو اُبال کر نیچے اُتار لیتے۔ پھر جب وہ کچھ ٹھنڈا ہو جاتا تو اس میں خوشبو ملا کر استعمال کرتے تھے۔

لطائف و ظرائف

عبد العزیز[۵] بن محمد الطبری کہتے ہیں کہ ابو جعفر اپنے ظاہر میں خوش طبیعت اور باطن میں بہت لطیف الفطرت تھے۔ وہ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ خوش معاملہ تھے۔ کبھی اپنے ساتھیوں سے بے تکلّف بھی ہو جاتے تھے اور اُن سے خوشگوار سی چھیڑ چھاڑ بھی کر لیا کرتے تھے، چنانچہ اُن کی طبیعت کی ظرافت کے باعث جو چند لطائف ہم تک پہنچے ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔

ابو جعفر[۶] الطبری چربی نہیں کھاتے تھے اور صرف سُرخ گوشت استعمال کرتے تھے جسے وہ منقّی ڈال کر پکاتے تھے۔ وہ گھی بھی کم استعمال کرتے تھے جس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ اس کی کثرتِ استعمال معدہ

---

۱ معجم الادبا ج ۱۸ ص ۹۰ ۲ ایضاً ۳ معجم الادباء ج ۱۸ ص ۹۲ ۴ ایضاً ۵ ایضاً ص ۸۶ ۶ ایضاً ج ۱۸

کو خراب کر دیتی ہے۔

ایک روز اُنھوں نے کہا کہ کھجور معدہ کو بگاڑ دیتی ہے۔ نگاہ کو کمزور کر دیتی ہے۔ دانتوں کو خراب کر دیتی ہے اور گوشت میں بھی فلاں فلاں خرابیاں پیدا کرتی ہے۔ اس پر ابو علی الصوّاف نے کہا۔ "میں نے ساری عمر کھجور کا استعمال کیا۔ میں نے تو اس سے بہتری کے سوا کچھ نہیں دیکھا اور مجھے تو یہ کچھ نقصان نہیں دیتی۔" ابو جعفر نے یہ سُن کر جواب دیا۔ کھجور تم کو اِس قدر نقصان دے چکی ہے کہ اب اُسے تمہارے جسم میں مزید گنجائش نظر نہیں آتی۔" ابنِ کامل کہتے ہیں کہ جب لطیفہ پیش آیا اُس وقت ابو علی الصواف کے دانت گر چکے تھے۔ نگاہ کم ہو گئی تھی۔ جسم کمزور تھا اور چہرے کی زردی بڑھ گئی تھی۔"

ایک روز [1] ابو الفرج بن الثلاخ نے ابو جعفر کے سامنے کہا۔ میں نے آج طباہجہ (ایک ایرانی کھانا جو انڈوں پیاز اور قیمہ سے بنایا جاتا ہے) کھایا ہے۔ ابو جعفر نے کہا۔ طباہقہ کس کو کہتے ہیں۔ ابو الفرج نے کہا۔ طباہجہ کو۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اہلِ عرب جیم (ج) کو قاف (ق) میں بدل لیتے ہیں۔ ابو جعفر نے کہا: پھر تو تمہارا نام ابو الفرج بن الثلاخ کی بجائے ابو الفرق بن الثلاق ہُوا۔" چنانچہ اِس کے بعد لوگ مزاح کے طور پر اُن کو ابو الفرق بن الثلاق ہی کہا کرتے تھے۔

ابو بکر بن الجوالیقی ابن جریر کو اعراب کے سلسلے میں ٹوک دیا کرتا تھا اور اس سلسلے میں بغض کی حد تک اشارات کیا کرتا تھا۔ ایک روز جب وہ اس کوشش میں تھا تو ابو جعفر نے کہا۔ اَنْتَ بغیض (تم بڑے کینہ ور ہو) چنانچہ اس کے بعد اس بے چارے کا نام ہی 'بغیض الطبری' مشہور ہو گیا۔

سفرِ آخرت

ابو بکر [2] خطیب بغدادی کے قول کے مطابق ابن جریر ہفتہ کے روز ۲۶ شوال ۳۱۰ھ میں فوت ہوئے اور اتوار کے دن صبح کے وقت رحبۂ یعقوب کے ایک گھر میں دفن ہوئے۔ ایک اور روایت کے مطابق اُن کو رات کے وقت دفن کیا گیا۔ خطیب نے کہا ہے کہ اُن کی وفات پر کسی شخص کو نہیں بلایا گیا، لیکن اس کے باوجود اُن کے جنازے پر اس قدر لوگ جمع ہو گئے کہ خدا کے سوا کوئی اُن کی تعداد کا احاطہ نہیں کر سکتا تھا۔ اُن کی قبر پر کئی ماہ تک شب و روز نمازِ جنازہ ہوتی رہی۔

---

[1] معجم الادباء ج ۱۸ ص ۹۳ [2] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۶۹

ابو علی الاھوازی نے کہا ہے کہ اُنھوں نے بغداد کے اندر ۳۱۰ھ میں وفات پائی۔ میں نے ابو سلیمان بن یزید کے ہاتھ کا لکھا ہُوا ایسا ہی پایا ہے اور میں نے بعض لوگوں کو یہ بھی کہتے سُنا ہے کہ اُن کا انتقال ۳۱۱ھ یا ۳۱۶ھ میں ہُوا۔ اس بارے میں خدا ہی بہتر جانتا ہے اور یہ سارے سن خلیفہ مقتدر باللہ کے عہد کے ہیں۔ قاضی ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وہ ہفتے کے روز دن کے آخر میں فوت ہوئے اور ۲۶ شوال ۳۱۰ھ کو بغداد میں اپنے گھر کے اندر دفن کیے گئے، لیکن میں نے مصر میں ایک قبر دیکھی ہے جو زیارت گاہِ خاص و عام ہے اور اُس کے سرہانے ایک پتھر کی سل پر لکھا ہے کہ یہ ابنِ جریر طبری کی قبر ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ وہی صاحبِ تاریخ طبری ہیں، لیکن یہ بات درست نہیں۔ اُن کی قبر بغداد میں ہے اور ابن یونس نے بھی اپنی تاریخ میں طبری کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بغداد میں فوت ہوئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بغداد کی سرزمین نے ابنِ جریر کے جسمِ فانی کو ہمیشہ کے لیے اپنے اندر چھپا لیا، لیکن وہ اُن کے نام کو نہ دبا سکی۔ ابنِ جریر کا اصلی سرمایہ اُن کے علمی کارنامے ہیں اور جب تک اُن کے یہ کارنامے موجود ہیں۔ اُن کا نام بھی صفحۂ ہستی پر تابندہ و درخشندہ رہے گا۔

ابنِ جریر کی وفات پر بہت سے علماء و ادباء نے اُن کے مرثیے کہے ابوبکر خطیب نے اُن میں سے تاریخ بغداد میں ابنِ ورید اور ابن الاعرابی کے دو مرثیے لکھے ہیں جن سے اُن کے مقامِ عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اعلان

اُن حضرات کو ایک سال کے لیے مفت رسالہ جاری کیا جائے گا۔ جو رسالہ کے سات خریدار بنائیں گے۔　　(ادارہ)

جناب وفا ملک پوری صاحب

عید کس کی ہے؟

جس نے دنیا میں کیا ہو آخرت کا بندوبست　　　جو نہ بھولا ہو غمِ ہستی میں اقرار الست
کر دیا ہو اپنی بیجا خواہشوں کو جس نے پست　　　جس نے اپنے نفسِ امارہ کو دیدی ہو شکست
فرق کچھ آئے نہ جس کے عزم و استقلال میں
راہِ حق پر جو رہے ثابت قدم ہر حال میں

جس کے ایماں کی حرارت قلب کو دے سوز و ساز　　　جو سمجھتا ہو خدائے پاک کی طاعت کا راز
آنکھ کی ٹھنڈک ہو جس کے واسطے ذوقِ نماز　　　سر جھکا کر سجدۂ خالق میں جو ہو سرفراز
کامراں جس کی وفا ہو ہر جفا کے سامنے
جس کی پیشانی جھکی ہو بس خدا کے سامنے

بھول کر بھی امرِ حق سے ہو نہ جس کو انحراف　　　کعبۂ دل کی حفاظت جو سمجھتا ہو طواف
جس کے دل کا آئینہ گرد و کدورت سے ہو صاف　　　جس کے حسنِ خلق کا دشمن کو بھی ہو اعتراف
جو غم و اندوہ میں بھی مسکراتا ہی رہے
زیرِ خنجر بھی پیامِ حق سناتا ہی رہے

عید اس کی ہے مے وحدت سے جو سرشار ہو　　　عید اس کی ہے جو اہلِ درد کا غمخوار ہو
خلق میں امن و صداقت کا علمبردار ہو　　　خوگرِ درد محبت، پیکرِ ایثار ہو
عید اس کی ہے جو احساس وفا سے کام لے
عید اس کی ہے کہ جو گرتے ہوؤں کو تھام لے

وَفَیَات

گزشتہ ماہ ۱۱ مارچ حضرت مولانا پیر غلام حبیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ جو سجادہ نشین صاحبزادہ عبدالرحیم صاحب نقشبندی کی والدہ محترمہ ہیں قضائے الٰہی سے وفات پاگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کی عمر ۸۵ برس ہوئی۔ پیرانہ سالی کے باوجود اپنے کام اور امور خانہ داری بحسن وخوبی انجام دیتی رہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عبادت وطاعت میں بھی ہمہ وقت مشغول رہتیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنی بارگاہ میں بلند درجات نصیب فرمائے اور اُن کے پسماندگان بالخصوص صاحبزادہ مولانا عبدالرحیم صاحب نقشبندی اور صاحبزادہ عبدالقدوس صاحب نقشبندی کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ مولانا عبدالرحیم صاحب نقشبندی نے جامعہ مدنیہ میں تعلیم حاصل کی ہے اس حوالہ سے بھی اہلِ جامعہ اس حادثہ پر مزید دل گرفتہ ہیں۔ مرحومہ کے لیے جامعہ میں ایصالِ ثواب بھی کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

۲۲ مارچ کو مولانا عبدالستّار صاحب شجاع آبادی بھی وفات پاگئے۔ اِنّا لِلّٰہ واِنّا الیہ راجعون مرحوم بہت ہی اچھے اور دیانت دار انسان تھے۔ اکابر اور مدارس سے بے لوث محبّت رکھتے تھے۔ رسائل دینیہ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی ہمیشہ کوشش کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول فرماکر اپنے ہاں بلند درجات نصیب فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

(قسط: ۲، آخری)

اُصولِ بدعت

کتاب "اُصولِ دین" کا ایک باب

ترتیب: مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب

۳۔ جو امر فی نفسہ ضرورت کے لیے مشروع ہو تو اس کو بلا ضرورت کرنا یا اسکی حیثیت بڑھانا بدعت ہے

تثویب یعنی اذان کے بعد نماز کی اطلاع دینا اور اعلان کرنا یہ فی نفسہ ضرورت کے لیے مشروع ہے کیونکہ اذان کے بعد امامت سے پیشتر حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع کرتے تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی پہلی اذان قائم کی تھی۔ پھر صحابہ کے دَور کے بعد متقدمین علماء کوفہ میں فجر کی نماز کے لیے اذان کے بعد فجر کی نماز سے پیشتر ایک مرتبہ نماز کا اعلان کرنے کا رواج ہوا، کیونکہ فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے اور صحابہ کے دَور کی سی مستعدی وچستی نہ رہی تھی۔ بعد میں جب اور نمازوں میں بھی سستی ہونے لگی تو متاخرین نے مغرب کے علاوہ اور نمازوں میں بھی تثویب کو مستحسن قرار دیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے دَور میں لوگ مستعد تھے۔ فجر کی نماز میں بھی اذان میں شامل الصلوٰۃ خیر من النوم سے علیحدہ کسی تثویب کی ضرورت نہ تھی تو اور نمازوں میں کیوں ہوتی؟ اس لیے اس دَور میں تثویب بلا ضرورت ہونے کی بناء پر بدعت تھی۔ اسی وجہ سے یہ روایات ہیں۔

۱۔ روی ان علیا رضی اللہ عنہ رأی مؤذنا یثوب فی العشاء فقال اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد (راہ سنّت ۱۲۹)

روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مؤذن کو عشاء کی نماز میں تثویب کرتے دیکھا

تو فرمایا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

۲۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے گیا۔ اذان ہوچکی تھی۔ ایک شخص نے تثویب شروع کردی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مجاہد سے فرمایا اخرج بنا من عند هذا المبتدع ولم يصل فيه (مجھے اس بدعتی کے ہاں سے لے چلو اور آپ نے اس مسجد میں نماز نہ پڑھی)

(راہ سنّت ص۱۲۹)

بعد میں جب سستی کی وجہ سے ضرورت پڑی تو متقدمین نے فجر کی نماز کے لیے اور متاخرین نے دیگر نمازوں کے لیے تثویب کو مستحسن سمجھا کیونکہ ان ادوار میں گھڑیاں موجود نہ تھیں اور لوگ نماز پڑھتے بھی تھے، لیکن غفلت و سستی کی وجہ سے جماعت کے لیے آنے میں تاخیر کرنے لگے جس سے یا تو جماعت میں تاخیر ہو یا جماعت سے نماز رہ جائے اس ضرورت کے پیشِ نظر تثویب اختیار کی، لیکن پھر جب کاہلی اور بڑھی کہ اذان کا کچھ اعتبار ہی نہ رہا اور تثویب کو اصل سمجھا جانے لگا کہ اذان سُن کر نماز کا قصد نہ کرتے بلکہ تثویب کے بعد نماز کا قصد و ارادہ کرتے تو چونکہ اب تثویب کو اس کی حیثیت سے بڑھا دیا گیا تو یہ پھر بدعت ضلالہ ہوگئی اور ہمارے دَور میں اوّل تو گھڑیاں عام ہیں دوسرے اذان اور نماز کے درمیان بس اتنا وقفہ ہوتا ہے کہ آدمی استنجا وضو کرکے نماز میں شریک ہوسکے۔ زیادہ وقت نہیں ہوتا کہ آدمی اپنے آپ کو غفلت میں مُبتلا کرسکے۔ نیز جن لوگوں نے نماز پڑھنی ہے اُن کو فکر رہتی ہے اور بڑی اکثریّت جو نماز ہی سے غافل ہے تو اس کو تثویب سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر ہمارے دَور میں بھی تثویب کی کچھ ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے سوائے فجر کی نماز میں کہ اگر ایک مرتبہ مختصر ترین اعلان ہو تو گنجائش ہے ورنہ اور نمازوں کے لیے تو بدعت ہے۔

۴۔ مندوب و مستحب کو تداعی (ایک دوسرے کو دعوت دیکر) واہتمام کیساتھ کرنا بدعت ہے

شرح منیہ میں ہے۔

فالصلوٰة خير موضوع مالم يلزم منها ارتكاب كراهة - اعلم ان النفل بالجماعة على سبيل التداعي مكروه

نماز بنیادی اور افضل و بہترین عبادت ہے لیکن اس سب کے باوجود تداعی و اہتمام کے سبب سے جو نفل نماز میں مشروع نہیں وہ بدعت بن جاتی ہے اور مکروہ ہے۔
مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اور عروہ بن زبیر دونوں مسجد میں داخل ہوئے۔

فاذا عبد اللہ بن عمر جالس الی حجرۃ عائشۃ والناس یصلون الضحی فی المسجد فسألناہ عن صلوٰتھم فقال بدعۃ۔

تو دیکھا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے پاس بیٹھے ہیں اور کچھ لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ ہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔ چاشت کی نماز صحیح اسانید کے ساتھ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، لیکن چونکہ آپ کے زمانہ میں اجتماعی ہئیت سے خاص اہتمام اس کیلئے نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ جو شخص جہاں کہیں ہوتا وہ اپنی جگہ پر چاشت کی نماز پڑھ لیتا۔ علاوہ ازیں یہ نفلی نماز ہے جس کو گھر میں پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے۔ اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو اس نماز کے لیے مسجدوں میں اجتماع اور خاص اہتمام کرتے دیکھا تو انھوں نے اس کو بدعت قرار دیا۔ اسی وجہ سے امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

مرادہ ان اظہارھا فی المسجد والاجتماع لھا ھو بدعۃ لا ان اصل صلوٰۃ الضحی بدعۃ۔

ان کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظاہر کر کے پڑھنا اور اس کے لیے اجتماع واہتمام کرنا بدعت ہے۔ یہ مراد نہیں کہ چاشت کی نماز اصل ہی سے بدعت ہے اسی طرح ذکر مولود اور ایصالِ ثواب اصل میں مندوب ہیں، لیکن اگر ان میں تداعی اور اہتمام بھی شامل ہو جائیں تو مکروہ اور بدعت ہوں گے۔

۵۔ مباح یا مستحب کو واجب یا سُنّتِ مؤکدہ اعتقاد کرنا بدعت ہے

مباح یا مستحب پر مؤکدات کی طرح التزام کے ساتھ عمل کرنا بھی بدعت ہے

مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ سعایہ میں لکھتے ہیں۔

قول ائمتنا یکرہ تعیین سورۃ للصلوٰۃ معناہ یکرہ تعیین المصلی من

عند نفسہ شیئا من سور القران لان فیہ التزام مالم یعھد فی الشرع التزامہ۔ واذا کان التزام المستحب ونحوہ یورث الکراھۃ فما ظنک بمداومۃ المباح ...... وعللوہ بانہ تشریک للعبد فی الاحکام والقاء المفسدۃ فی قلوب العوام.... فان من عین السورۃ لصلوٰۃ و داوم علیہ بحیث لا یقرأ غیرہ فی حین من الاحیان لا شک ان یکون التزام مالم یلتزم و مورثا الی ظن العوام کونہ ضروریا ...... نعم لو کانت المداومۃ علی ذلک مورثا الی مفسدۃ احب ان یترکھا کما رأینا فی مکۃ المعظمۃ.... ان الائمۃ الشافعیۃ یداومون علی قراءۃ الم تنزیل السجدۃ و سورۃ الدھر فی فجر کل جمعۃ ولا یترکونھا احیانا و یورث ذلک الی مفاسد منھا اعتقاد العوام وجوب ذلک مطلقا او فی مذھب الشافعیۃ خصوصا.... ومن ھھنا ظھر ان لا خلاف بیننا و بین الشافعیۃ فی ھذہ المسئلۃ فانھم یکرھون التزام مالم یلتزم من جانب الشارع کما لا یخفی علی من تتبع کتبھم۔ (سعایہ ج ۲ ص ۲۸۹)

ہمارے ائمہ کا قول کہ نماز کے لیے کسی سورت کی تعیین مکروہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کا اپنی طرف سے قرآن کی کسی سورت کی تعیین مکروہ ہے کیونکہ اس میں ایسی چیز کا التزام (لازم کرنا) ہے جس کا شریعت میں التزام معلوم نہیں ہے اور جب مستحب وغیرہ کا التزام کراہت کا موجب ہوتا ہے تو مباح پر مداومت کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟ (یعنی وہ تو بطریقِ اولیٰ موجبِ کراہت ہوگا)..... فقہاء نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس میں ایک تو احکام کی تعیین میں بندے کو شریک کرنا ہے اور دوسرے اس میں لوگوں کو غلط عقیدے میں مُبتلا کرنا ہے کہ وہ مباح یا مستحب کو واجب یا مؤکد اعتقاد کرنے لگتے ہیں کیونکہ اگر کوئی کسی نماز کے لیے سورت میں معین کرے اور اس پر اس طرح سے مداومت کرے کہ کبھی بھی اس سورت کے علاوہ کوئی اور سورت نہ پڑھے تو کوئی شک نہیں کہ یہ ایسی چیز کا التزام ہے جو شریعت میں لازم نہیں ہے اور اس کی وجہ سے عوام اس کو ضروری اور واجب

اعتقاد کرنے لگتے ہیں۔ . . ہاں اگر (جس مستحب پر نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مداومت کی ہو) اس پر مداومت سے لوگوں میں خرابی پھیلتی ہو تو مداومت کو ترک کرنا بہتر ہے جیسا کہ ہم نے مکّہ معظمہ میں دیکھا کہ شافعی امام ہر جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورہ الم سجدہ اور سورۂ دھر کے پڑھنے پر مداومت کرتے ہیں اور کبھی ان کا ترک نہیں کرتے تو اس سے کچھ خرابیاں وقوع میں آئیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ عوام جمعہ کی فجر میں ان سورتوں کے پڑھنے کو مطلقاً واجب سمجھنے لگے ورنہ کم از کم شافعی مذہب میں واجب سمجھنے لگے . . . اس سے ظاہر ہُوا کہ ہمارے اور شافعیہ کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ وہ بھی ایسی چیز کا التزام مکروہ سمجھتے ہیں جس کا التزام شریعت نے نہیں کیا ہے۔ . .

اس مسئلہ کا مزید بیان یہ ہے کہ نماز میں کوئی سورت مقرّر نہیں سب برابر ہیں، مگر جہاں شارع سے کسی سورت کی تخصیص ثابت ہُوئی ہو وہ مستحب ہے جیسا جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورہ سجدہ اور سورۂ دھر۔ بس جو سورت شارع سے ثابت ہوئی اس میں امام شافعی رحمہ اللہ تو دوام کو مستحب جانتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کبھی کبھی چھوڑ کر مستحب اور دوام کو مکروہ فرماتے ہیں اور جس میں استحباب ثابت نہیں۔ اس میں بالاتّفاق دوام مکروہ ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس دوام میں پہلی شق میں تو مستحب مؤکد یا واجب ہو جاتا ہے اور دوسری شق میں مباح مؤکد یا واجب ہو جاتا ہے تو شرع کی حد متغیر ہُوئی۔ للہذا مکروہ ہے . . . اس جگہ طحاوی اور اسبیجابی نے یہ کہا ہے کہ کراہت تحریمہ جب ہے کہ اس صورت میں وجوب کا اعتقاد کرے اور ترک کو مکروہ جانے اور سہولت یا تبرک کے واسطے پڑھے تو مکروہ نہیں۔ بشرطیکہ کبھی کسی اور سورت کو بھی پڑھ لیا کرے۔ اس سے بھی یہی واضح ہُوا کہ اعتقادِ وجوب تو مکروہ تحریمہ ہے۔ بے وجوب کے اعتقاد کے بغیر بھی دوام مکروہ ہے۔

۶۔ کفّار کے ساتھ مشابہت اگرچہ صرف ایک اعتبار سے ہو بدعت و مکروہ ہے

یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے اور پُوری اُمّت میں مسلم ہے۔ اور اس کی اصل یہ حدیث ہے۔ من تشبہ بقوم فھو منھم (جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرے اس کا شمار انہیں میں سے ہوگا۔)

اس حدیث میں تشبہ کا لفظ مطلق آیا ہے۔ یعنی اس کے ساتھ کل یا بعض کی اور قلیل یا کثیر کی کوئی قید نہیں ہے اور مسلم قاعدہ ہے کہ مطلق جس فرد میں بھی پایا جائے مطلق کا حکم اس پر جاری ہوگا اور کوئی قید اس کے ساتھ لگانی دُرست نہیں۔ کہا گیا ہے۔ المطلق یجرنی علی اطلاقہ۔ لہٰذا مطلق تشبہ کا کوئی فرد ہو وہ حدیث کا مصداق بنے گا۔ اگرچہ وہ فرد خود مکمّل اور مستقل نہ ہو بلکہ کسی دوسری چیز کا فقط ایک جزو ہو۔ اس طرح سے وہ پُورا مجموعہ اور مرکّب مکروہ و بدعت بن جاتا ہے اس کی نظیر ہدایہ میں ہے۔

اذاقرء الامام من المصحف فسدت صلاتہ عند ابی حنیفۃ وقالا ھی تامۃ الا انہ یکرہ لانہ یشبہ صنع اھل الکتاب انتھی قال فی النھایۃ فانھم یصلون ھکذا فیکرہ للتشبہ لانا نھینا عن التشبہ بھم فیما لابد منہ انتھی

امام اگر مصحف میں دیکھ کر پڑھے تو ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور ابو یُوسف اور محمّد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نماز تو ہوجائے گی۔ البتّہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہلِ کتاب کے عمل کے ساتھ مشابہت ہے انتہی نہایہ میں کہا وجہ یہ ہے کہ اہلِ کتاب اپنی نماز اسی طرح (یعنی کتاب میں سے پڑھ کر) ادا کرتے ہیں۔ لہٰذا تشبہ کی بنار پر مکروہ ہے کیونکہ جو چیزیں ناگزیر نہیں ہیں ان میں ہمیشہ ان سے تشبہ اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ویکرہ ان یقوم الامام فی الطاق لانہ یشبہ صنیع اھل الکتاب ویکرہ ان یکون الامام وحدہ علی الدکان لما قلنا

امام کا اکیلے محراب کے اندر کھڑے ہونا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں اہلِ کتاب کے طریقے کیساتھ مشابہت ہے اور اسی وجہ سے امام کا تنہا چبوترے پر کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے۔

یہ دونوں روایتیں دیکھیے۔ نماز اور جماعت کے تمام ارکان و افعال میں سے صرف ایک جزو یعنی قرآن کھول کر پڑھنا اور بلند مقام پر کھڑے ہونا اہلِ کتاب سے تھا تو ساری نماز مکروہ ہوگئی۔

تنبیہ ۱؎ شارع کے مقرر کردہ فرائض و واجبات میں تشبہ کا اعتبار نہیں ہوتا اور حدیث میں اس کا اشارہ ہے کیونکہ تَشَبَّہَ کا لفظ باب تفعل کا ماضی ہے اور اسم موصول کے بعد واقع

ہے ۔اوّل تو باب تفعل میں از روئے لغت بتکلف ارتکاب کا معنی پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہُوا کہ مرتکب نے بہ تکلف تشبہ والے کام کو کیا ہے ۔ شریعت یا طبیعت کی طرف سے لازم نہیں کیا گیا تھا۔ دوسرے فعل حدوث پر دلالت کرتا ہے ۔ یعنی اوّل شارع نے بندے پر لازم نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود اس کا مرتکب اور موجد ہُوا ہے ۔ پس تشبہ کے لفظ سے شارع نے فرض واجب وسُنّت مؤکدہ کو نیز امور طبیعیہ کو خارج کر دیا ہے اور ان میں تشبہ کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ۔

تنبیہ ۲ بحر رائق میں ہے کہ تشبہ حرام وہ ہے جو تشابہ کے قصد و نیت سے ہو ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو کہا جاتا ہے کہ حدیث میں مطلق آیا ہے اور رائے سے حدیث کی تخصیص جائز نہیں، اور سب محققین نے تشبہ کو مطلق لکھا ہے لہٰذا بحر کا قول حدیث کے معارض نہیں ہو سکتا ۔ نیز حدیث میں ہے غیروا الشیب لا تشبھوا بالیھود (بالوں کی سفیدی کو بدل دو اور یہود کے ساتھ مشابہت مت اختیار کرو) اور نظفوا افنیتکم ولا تشبھوا بالیھود (اپنے صحنوں کو صاف رکھو اور یہود کے ساتھ مشابہت نہ اختیار کرو) اور ظاہر ہے کہ بالوں کی سفیدی میں اور صحنوں کی گندگی میں کسی نے یہود مشابہت کا قصد نہیں کیا تھا بلکہ عادتًا ایسا ہوتا تھا۔

علاوہ ازیں بحر رائق کی مراد یہ ہے کہ تشبہ کے لفظ میں بہ تکلف ارتکاب کا معنی پایا جاتا ہے ۔ لہٰذا مرتکب کا قصد اور فعل ضروری ہے پس اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی کام نادانستہ کیا اور پھر اس کو خبر ہُوئی کہ یہ کام فلاں قوم کا شعار اور طریقہ ہے تو اب اس کا ازالہ کرے اور آئندہ اس کو نہ کرے ورنہ علم ہونے کے بعد بھی کرے گا تو تشبہ ہوگا ۔ پہلے یہ شخص تشبہ کرنے والا نہ تھا ۔ اور اپنے فعل میں عاصی بھی نہ تھا ۔ اب (بہ تکلف ارتکاب کی وجہ سے) جو قصد کرتا ہے تو تشبہ ہُوا ۔ علیٰ ہذا جو کام ایسا ہے کہ اس کا ازالہ کر سکتا ہے مگر قصدًا ازالہ نہ کیا جیسا بالوں کا خضاب (جو سیاہ نہ ہو) تو ترکِ خضاب قصدًا کرتا ہے، کیونکہ ازالہ پر قادر ہے اور نہیں کرتا۔

بہر حال چونکہ سب جگہ معصیت کے لیے مکلف کا فعل ضروری ہے ۔ لہٰذا معنی یہ ہُوئے کہ اس فعل تشبہ کا قصد کرے نہ یہ کہ اس فعل کو کفّار کے تشبہ کی نیت سے کرے ۔

کھانے پر فاتحہ یا ختم پڑھنا یہ بدعت ہے کیونکہ اس میں ہندوؤں کے ساتھ تشبہ ثابت ہے اس لیے کہ تمام ہندوؤں میں یہ رسم ہے اور ان کا یہ شعار ہے کہ کھانے پر وید پڑھواتے ہیں ۔ تحفۃ الہند میں ہے

"ہر سال جس تاریخ میں کوئی مرا اسی تاریخ ثواب پہنچاتے ہیں اور اس کو ضروری جانتے ہیں اور پنڈت اس کھانے پر وید پڑھتا ہے"۔

اسی طرح سوئم میں بھی ہندوؤں کے ساتھ مشابہت ہے۔ سوئم میں کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ ان میں تو تشبہ نہیں ہے۔ البتہ لوگوں کا اجتماع اور تیسرے دن کی تخصیص ان دو میں ہندوؤں کے ساتھ تشبہ ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں تیسرے روز جمع ہو کر سوگ کھلواتے ہیں اور یہ ان کا شعار ہے۔ تو دو باتوں میں تشبہ ہوا اور مرکّب کے ایک جزو میں بھی تشبہ ہو تو کل مرکّب بدعت بن جاتا ہے تو اس قاعدے سے سوئم کا مجموعہ بھی بدعت ہوا۔

۷۔ مشروع عبادت پر اپنی طرف سے زیادتی کرنا بدعت ہے

(الف) نمازِ جنازہ سے فارغ ہوتے ہی جنازہ اُٹھا کر لے چلنے کا حکم ہے۔ نمازِ جنازہ کے بعد وہیں ٹھہر کر دُعا میں مشغول ہونا مکروہ و بدعت ہے جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ ولا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ (مرقات ج ۲ ص ۲۱۹)

نمازِ جنازہ کے بعد میّت کے لیے دُعا نہ کرے، کیونکہ یہ نماز میں زیادتی کے مشابہ ہے۔

اور مفتی سعد اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادہ بودن بر امر مسنون منع میکنند"۔ (فتاوی سعدیہ)

یہ کراہت سے خالی نہیں ہے کیونکہ اکثر حضرات فقہاء اس کو امر مسنون پر زائد ہونے کی وجہ سے منع کرتے ہیں۔

(ب) نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔

ان رجلا عطس الی جنب ابن عمر فقال الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ فقال ابن عمرؓ انا اقول الحمد للہ والسّلام علی رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم علمنا ان نقول الحمد للہ علی کل حال۔

(ترمذی ج ۲ ص ۹۸)

ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں چھینک ماری اور کہا الحمد للہ والسّلام علی رسول اللہ۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اس کا تو میں بھی قائل ہوں۔ الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ لیکن ہمیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی تعلیم نہیں دی۔ ہمیں اس موقع پر یہ کہنا سکھایا ہے۔ الحمد للہ علی کل حال۔

اس واقعہ میں مذکورہ الفاظ کہنے سے روکنے کی وجہ یہ بیان کی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس موقع پر ہمیں صرف الحمد للہ کی تعلیم دی ہے اور والسلام علی رسول اللہ چونکہ اس پر زائد ہے اس لیے میں اس کو جائز نہیں سمجھتا۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ جو بات شرع سے ثابت ہو اس پر زیادہ کرنا منع ہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ترک بھی سُنّت ہے اور اسکی مخالفت بدعت ہے

یہ کہنا کہ جس چیز کی نہی کتاب وسُنّت میں نہ ہو اس کا نکالنا اور کرنا بُرا نہیں ہے۔ قاعدے کے خلاف بات ہے۔ کیونکہ جس طرح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کسی کام کو کرنا سُنّت ہے اسی طرح کسی کام کو چھوڑنا بھی سُنّت ہے۔ لہٰذا آپ کے ترکِ فعل کا اتباع بھی سُنّت ہے اور اس کی مخالفت بدعت ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔

ان اللہ یحب ان یؤتی رخصہ کما یحب ان یؤتی عزائمہ - (مرقات ج ۲ ص ۱۵)

اللہ تعالیٰ جیسے فرائض کی ادائیگی کو پسند کرتا ہے اسی طرح وہ اس کو بھی پسند کرتا ہے کہ اس کی رُخصتوں پر عمل کیا جائے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

والمتابعۃ کما تکون فی الفعل یکون فی الترك ایضا فمن واظب علی فعل لم یفعلہ الشارع فھو مبتدع

متابعت جیسے فعل میں ہوتی ہے۔ اسی طرح ترک میں بھی ہوتی ہے۔ سو جس نے کسی ایسے کام پر مداومت کی جو شارع نے نہیں کیا تو وہ بدعتی ہے۔ سیّد جمال الدّین محدّث رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ترکہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سنۃ کما ان فعلہ سنۃ

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کسی چیز اور کام کو ترک کرنا بھی سُنّت ہے جیسا کہ آپ کا فعل سُنّت ہے۔

ان عبارتوں سے واضح ہُوا کہ باوجود محرک اور سبب کے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کسی کام کو نہ کرنا ایسا ہی سُنّت ہے جیسا کہ آپ کا کسی کام کو کرنا سُنّت ہے اور جو شخص دونوں میں سے کسی ایک کے اعتبار سے بھی عمل نہیں کرتا وہ بدعتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "دُعا میں سجع سے بچو کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے صحابہ دُعا میں سجع نہیں کیا کرتے تھے۔" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ان رفعکم ایدیکم بدعة مازاد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم علیٰ ھذا یعنی الی الصدر (مسند احمد ج ۲ ص ۶۱)

تمہارا (اس طرح) ہاتھ اُٹھانا بدعت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سینہ سے اُوپر ہاتھ نہیں اُٹھائے۔ (یعنی عام دعاؤں میں) حضرت عمارہ بن رویبہ نے بشر بن مروان کو منبر پر تقریر کے دوران دونوں ہاتھ اُٹھاتے دیکھا تو یُوں فرمایا

قَبَّحَ اللہ ھاتین الیدین لقد رأیت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مایزید علی ان یقول ھکذا بیدہ واشار باصبعہ المسبحة اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کا ناس کرے میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اشارہ کی اُنگلی سے زیادہ اُٹھاتے ہُوئے نہیں دیکھا (اور یہ دونوں ہاتھ اُٹھا رہا ہے)۔

ایک موقع پر صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں۔

ودلیل الکراھة انہ علیہ السّلام لم یزد علی ذلک ولولا الکراھة لزاد تعلیما للجواز کراہت کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس سے زائد منقول نہیں۔ اگر کراہت نہ ہوتی تو آپ تعلیم جواز کے لیے زیادہ بھی کر دیتے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر ہدایہ میں ہے۔

ولا یُتَنَفَّلُ فی المصلی قبل صلاة العید لان النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم لم یفعل ذلک مع حرصہ علی الصلاة ثم قیل الکراھة فی المصلی خاصة وقیل فیہ وفی غیرہ

عامة لانه صلی اللہ علیه وسلم یفعله (ج ۱ ص ۱۵۳)

اور عیدگاہ میں نمازِ عید سے پہلے نفل نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ نے باوجود نماز پر حریص ہونے کے ایسا نہیں کیا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت عیدگاہ کے ساتھ خاص ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ عیدگاہ اور غیر عیدگاہ دونوں میں کراہت ہوگی۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدگاہ و غیر عیدگاہ دونوں میں نماز نہیں پڑھی۔

جب کسی چیز کے سُنّت اور بدعت (یعنی شرعی دلیل سے جائز و ناجائز) ہونے میں کسی کو تردّد و اشتباہ ہو تو کیا کرنا چاہیے

۱۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الحلال بین والحرام بین وما بینهما مشتبهات لا یعلمها کثیر من الناس فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینه وعرضه ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام کالراعی حول الحمی یوشک ان یرتع فیه۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۳)

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں۔ ان کو بہت سے لوگ نہیں جانتے سو جو شخص ان مشتبہات سے بچا تو اس نے اپنا دین اور عزت بچالی اور جو مشتبہات میں جا پڑا (تو گویا) وہ حرام میں جا پڑا جیسے چراگاہ کے اردگرد جانوروں کو چرانے والا قریب ہے کہ چراگاہ میں جا پڑے۔

اس حدیث میں تردد اور اشتباہ والے کاموں سے بچنے کا صریح حکم ارشاد فرمایا۔ یہی حکم ایک اور حدیث میں ہے۔

۲۔ دع ما یریبك الی ما لا یریبك فان الخیر طمانینة وان الشر ریبة

وہ چیز چھوڑ دے جو تجھے تردّد اور اشتباہ میں ڈالے اور ایسی چیز اختیار کر جو تیرے لیے باعثِ تردّد نہ ہو۔ کیونکہ خیر باعث اطمینان اور شر باعث شک ہوتا ہے۔

۳۔ علّامہ برکلی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

اعلم ان فعل البدعة اشد ضررا من ترك السنة بدلیل ان الفقها قالوا اذا تردد الحکم

فی شئ بین کونه سنة و بدعة فترکه لازم

جان لو کہ بدعت کا کام کرنا ترک سُنّت سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ جب کوئی حکم سُنّت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو اس کا ترک کرنا ہی ضروری ہوگا۔

۴۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے۔

وما تردد بین البدعة والسنة یترك جو چیز سُنّت و بدعت کے درمیان دائر ہو وہ چھوڑ دی جائے گی۔

۵۔ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اذا تردد الحکم بین سنة و بدعة کان ترك السنة راجحا علی فعل البدعة

جب حکم سُنّت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو سُنّت کا ترک کرنا بدعت کو کرنے پر مقدم ہوگا۔

اسکا مطلب یہ ہے کہ اس کام کو نہ کرے کیونکہ نہ کرنے میں زیادہ سے زیادہ ترک سُنّت ہوگا جبکہ اگر وہ بدعت ہوا تو کرنے میں بدعت کا ارتکاب ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں اس کام کو نہ کرنے کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ بدعت کے کرنے کے مقابلے میں ترک سُنّت کو ترجیح ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بدعت انتہائی مذموم چیز ہے کیونکہ بدعت کی حقیقت کا خلاصہ ہے غیر شریعت کو شریعت بنانا اور جبکہ شریعت کا من جانب اللہ ہونا ضروری اور لازم ہے تو یہ شخص ایسے کام کو جو من جانب اللہ نہیں ہے اپنے اعتقاد میں اللہ کی جانب سے بنانا ہے جس کا حاصل اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے اور ایک گونہ دعوی نبوّت ہے۔ اس شناعت کے عظیم ہونے کی وجہ سے اگر اس سے اجتناب کو ترجیح حاصل ہو تو تعجب نہیں۔

بدعت کے چند نتائج

۱۔ سُنّت سے محرومی

حضرت غضیف بن حارث ثمالی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة فتمسك بسنة خیر من احداث بدعة

کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرتی، مگر اس کے بقدر سُنّت ان سے اُٹھالی جاتی ہے۔ سو سُنّت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت حسان تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ما ابتدع قوم فی دینهم الا نزع الله من سنتهم مثلها ثم لا یعیدها ذلك الی یوم القیامة"

کوئی قوم دین میں بدعت نہیں نکالتی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اتنی ہی مقدار میں سُنّت ان سے اُٹھا لیتا ہے اور پھر قیامت تک ان کو وہ سُنّت واپس نہ دے گا۔

۲۔ یہ اسلام کو ڈھانا ہے۔

حدیث میں ہے۔ من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام

جس شخص نے بدعتی کی توقیر کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد دی۔

مطلب یہ ہوا کہ بدعتی اسلام کو اپنی بدعت کے ذریعے سے ڈھا رہا ہے۔ اور توقیر کرنے والا اس کی ہمت بندھا کر اس ڈھانے میں مدد دے رہا ہے۔

۳۔ مُسلمانوں کی توقیر و اکرام سے محرومی

یہ حدیث کہ "جس شخص نے بدعتی کی توقیر کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد دی" سے مُسلمانوں کو بدعتی کی توقیر کرنے سے منع کر دیا گیا۔

تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان کا پیغام
دنیا کے تمام والدین کے نام

★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات و ممنوعات کے بارے میں بتادیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ کاموں کے بارے میں بتا دیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو رسول ﷺ کی تعلیمات کے عین مطابق زندگی بسر کرنے کا پابند بنادیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو نیکی و بدی میں فرق سے آگاہ کردیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو حلال روزی کے فوائد اور حرام کمائی کے نقصانات سے آگاہ کردیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو ناانصافی، دوسروں کی حق تلفی، دوسروں کے مال پر نگاہ رکھنے، دوسروں کی تذلیل کرنے اور دوسروں پر ظلم و جبر کرنے جیسے گناہوں سے باز رہنے کے لئے تیار کردیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی برکتوں سے آگاہ کردیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو نفسانی خواہشوں، عریانی، فحاشی اور بے حیائی جیسی لعنتوں کے نقصانات سے آگاہ کردیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو آخرت کی ابدی نعمتوں کے بارے میں آگاہ کردیا ہے؟
★ کیا آپ نے اپنے بچوں کو جہنم کے دردناک عذاب سے بچنے کے گر سکھادیئے ہیں؟

اگر آپ نے اب تک ان باتوں سے غفلت کی ہے تو فوراً یہ تمام تعلیمات اپنے بچوں تک پہنچائیں، اپنی ذمہ داری نبھائیں، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دنیاوی معاشرہ کو سنوارنے میں اپنا کردار ادا کریں اور اپنی اور اپنے بچوں کی آخرت کو سنواریں۔

تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان۔ پوسٹ بکس نمبر 6216 لاہور

حاصل مطالعہ

مولانا نعیم الدین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

اذان : جس کی آواز ہر وقت پوری دنیا میں گونجتی رہتی ہے

"دنیا کے نقشے کو دیکھیں، اسلامی ممالک میں انڈونیشیا کرۂ ارض کے مشرق میں واقع ہے یہ ملک بیشمار جزیروں پر مشتمل ہے جن میں جاوا ، سماترا، بورنیو اور سیلبز مشہور جزیرے ہیں۔ انڈونیشیا آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا ملک ہے ۱۸ کروڑ آبادی کے اس ملک میں غیر مسلم کی آبادی کا تناسب آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

طلوعِ سحر سیلبز کے مشرق میں واقع جزائر میں ہوتی ہے وہاں جس وقت صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے ہوتے ہیں طلوع سحر کے ساتھ ہی انڈونیشیا کے انتہائی مشرقی جزائر میں فجر کی اذان شروع ہوجاتی ہے اور ہزاروں مؤذن خدائے بزرگ و برتر کی توحید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں۔

مشرقی جزائر سے یہ سلسلہ مغربی جزائر کی طرف بڑھتا ہے اور ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جکارتہ میں مؤذنوں کی آواز گونجنے لگتی ہے۔ جکارتہ کے بعد یہ سلسلہ سماترا میں شروع ہوجاتا ہے اور سماترا کے بعد مغربی قصبوں اور دیہات سے پہلے ہی ملایا کی مسجدوں میں اذانیں بلند ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔

ملایا کے بعد برما کی باری آتی ہے، جکارتہ سے اذانوں کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ ایک گھنٹہ بعد ڈھاکہ پہنچتا ہے، بنگلہ دیش میں ابھی اذانوں کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا کہ کلکتہ سے سری نگر تک اذانیں گونجنے لگتی ہیں۔ دوسری طرف یہ سلسلہ کلکتہ سے بمبئی کی طرف بڑھتا ہے اور پورے ہندوستان کی فضا توحید و رسالت کے اعلان سے گونج اُٹھتی ہے۔

سری نگر اور سیالکوٹ میں فجر کی اذان کا ایک ہی وقت ہے، سیالکوٹ سے کوئٹہ کراچی اور گوادر تک چالیس منٹ کا فرق ہے اس عرصہ میں فجر کی اذان پاکستان میں بلند ہوتی رہتی ہے۔ پاکستان میں یہ سلسلہ ختم ہونے سے پہلے افغانستان اور مسقط میں اذانوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، مسقط سے بغداد تک ایک گھنٹہ کا فرق ہے۔ اسی عرصہ میں اذانیں حجازِ مقدس یمن، عرب امارات، کویت اور عراق میں گونجتی رہتی ہیں۔ بغداد سے اسکندریہ تک پھر ایک گھنٹہ کا فرق ہے۔ اسی دوران شام، مصر، صومالیہ اور سوڈان میں اذانیں بلند ہوتی ہیں۔ اسکندریہ اور استنبول ایک ہی طول و عرض پر واقع ہیں مشرقی ترکی سے مغربی ترکی تک ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہے۔ اس دوران ترکی میں صدائے توحید و رسالت بلند ہوتی ہے۔

اسکندریہ سے طرابلس تک ایک گھنٹے کا فاصلہ ہے اس عرصے میں شمالی افریقہ میں لیبیا اور تیونس میں اذانوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے، فجر کی اذان جس کا آغاز انڈونیشیا کے مشرقی جزائر سے ہوا تھا، ساڑھے نو گھنٹے کا سفر طے کرکے بحرِ اوقیانوس کے مشرقی کنارے تک پہنچتی ہے۔

فجر کی اذان بحرِ اوقیانوس تک پہنچنے سے قبل ہی مشرقی انڈونیشیا میں ظہر کی اذان کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور ڈھاکہ میں ظہر کی اذانیں شروع ہونے تک مشرقی انڈونیشیا میں عصر کی اذانیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ یہ سلسلہ ڈیڑھ گھنٹہ تک بمشکل جکارتہ پہنچتا ہے کہ انڈونیشیا کے مشرقی جزائر میں

گھنٹہ تک بمشکل جکارتہ پہنچتا ہے کہ انڈونیشیا کے مشرقی جزائر میں نماز مغرب کا وقت ہو جاتا ہے۔ مغرب کی اذانیں سیلبز سے بمشکل سماترا تک پہنچتی ہیں کہ اتنے میں عشاء کا وقت ہو جاتا ہے۔ جس وقت مشرقی انڈونیشیا میں عشاء کی اذانوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اس وقت افریقہ میں فجر کی اذانیں گونج رہی ہوتی ہیں۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ کرۂ ارض پر ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا جس وقت ہزاروں لاکھوں مؤذن بیک وقت خدائے بزرگ و برتر کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان نہ کر رہے ہوں، انشاء اللہ العزیز یہ سلسلہ تاقیامت اسی طرح جاری رہے گا۔"[1]

شیخ ابوالحسین نوریؒ کا احتساب

"تیسری صدی ہجری کا قصہ ہے جس میں وقت کا حاکم عباسی حکمران ابوالعباس احمد بن موفق المعروف بہ معتضد باللہ تھا جو بہت سی خوبیوں کے باوصف بہت سی خرابیوں کا بھی شکار تھا۔ علامہ سیوطی (م ۹۱۱ھ) اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ سخت گیر حکمران تھا، اس کو کسی پر غصہ آجاتا تھا تو پھر معاف نہیں کرتا تھا، اکثر مجرموں کو زندہ زمین میں گڑوا دیتا تھا"[2] اس بادشاہ کے زمانے میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ شیخ ابوالحسین احمد بن محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۹۵ھ) حضرت تھانویؒ نے آپ کے احتساب کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ نصیحت آموز بھی ہے۔ "حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔

"ایک بار ایک موقع پر چلے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے دجلہ کے کنارے پہنچے دیکھا کہ شراب کے مٹکے کشتیوں سے اُتر رہے ہیں پُوچھا کہ ان میں کیا ہے؟ کشتی والے نے کہا کہ شراب ہے۔ خلیفۂ وقت معتضد باللہ کے لیے آئی ہے اور وہ دس مٹکے تھے۔ شیخ کو غصہ آیا اور کشتی والے کی لکڑی

---

[1] پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ ج ش [2] تاریخ الخلفاء عربی ص ۳۶۸

مانگ کر انھوں نے نو مٹکے یکے بعد دیگرے توڑ ڈالے اور ایک مٹکا چھوڑ دیا۔ چونکہ یہ شراب خلیفہ کے لیے لائی گئی تھی اس لیے ان کا براہِ راست خلیفہ کے ہاں چالان کر دیا گیا۔ معتضد نہایت ہیبت ناک صورت میں بیٹھ کر اجلاس کیا کرتا تھا۔ لوہے کی ٹوپی اوڑھتا تھا اور لوہے کی زرہ اور لوہے کا گرز ہاتھ میں ہوتا تھا اور لوہے کی کرسی پر بیٹھتا تھا۔

معتضد نے نہایت کڑک کر ہولناک آواز سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے کیا ہے آپ کو بھی معلوم ہے۔ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ میں یہاں تک نہ لایا جاتا۔ معتضد یہ جواب سن کر برہم ہوا اور پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی کیا تم محتسب ہو۔ شیخ نے فرمایا کہ ہاں محتسب ہوں۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تم کو کس نے محتسب بنایا ہے۔ فرمایا کہ جس نے تجھ کو خلیفہ بنایا ہے۔ خلیفہ نے پوچھا کہ کوئی دلیل ہے فرمایا کہ

یَا بُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ۔

(قائم کر نماز کو حکم کر نیک باتوں کا۔ اور روک لوگوں کو بری باتوں سے اور اس سے جو تجھ کو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر)

معتضد یہ بیبا کی کی باتیں سن کر متأثر ہوا اور کہا کہ ہم نے تم کو آج سے محتسب بنایا، مگر ایک بات بتاؤ کہ ایک مٹکا تم نے کیوں چھوڑ دیا۔ فرمایا کہ جب میں نے نو مٹکے توڑ ڈالے تو نفس میں خیال آیا کہ اے ابوالحسین! تو نے بڑی ہمت کا کام کیا کہ خلیفۂ وقت سے بھی نہ ڈرا میں نے اسی وقت ہاتھ روک لیا۔ کیونکہ اس سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے توڑے تھے۔ اگر اب توڑوں گا تو وہ نفس کیلیے ہوگا اسلیے دسواں مٹکا چھوڑ دیا۔[1]

[1] وعظ ذم الھوی ص۳۰ مشمولہ خطبات حکیم الامت ج ۱۹ مسمیٰ بہ آدابِ انسانیت

حضرت شیخ ابو الحسین نوری رحمہ اللہ حضرت سرّی سقطیؒ (م ۲۵۳ھ) کے مرید، حضرت شیخ احمد بن ابی الحواری (م ۲۳۰ھ) کے صحبت یافتہ اور حضرت جنید بغدادیؒ (م ۲۹۷ھ) کے ہمعصر تھے۔

آپ کو نوری اس لیے کہتے ہیں کہ جب آپ اندھیری رات میں گفتگو فرماتے تو آپ کے مُنہ سے ایسا نور نکلتا جس سے سارا گھر روشن ہو جاتا۔

اور اس وجہ سے بھی کہ آپ اپنے نورِ فراست سے باطن کے اسرار بتا دیا کرتے تھے۔

نیز اس وجہ سے بھی کہ جنگل میں آپ نے ایک عبادت خانہ بنوایا ہوا تھا جس میں آپ ساری رات عبادت کرتے تھے، جب لوگ وہاں آپ کی زیارت کے لیے آتے تو رات کو ایک نور چمکتا ہوا دیکھتے جو گھر کے اُوپر تک چھایا ہوا ہوتا تھا۔[۱]

ابتداء میں آپ کی یہ حالت تھی کہ ہر روز صبح دکان جاتے وقت گھر سے کھانا ساتھ لے کر نکلتے اور راستے میں اُسے صدقہ کر دیتے اور مسجد میں جا کر ظہر تک نماز پڑھتے رہتے پھر نکل کر دُکان کا دروازہ کھولتے اور روزہ رکھے رہتے، گھر والوں کو یہی خیال ہوتا کہ آپ دُکان جا کر کھانا کھا لیتے ہوں گے اور دُکان والوں کو یہ خیال ہوتا کہ گھر سے کھا کر آئے ہوں گے، پُورے بیس برس ان کی یہی حالت رہی لیکن کسی کو اس کا پتہ نہیں چلا۔[۲]

آپ فرماتے تھے کہ: ہمارے زمانے میں دو چیزیں بہت نایاب ہیں ایک عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہو۔ دوسری، عارف جو حقائق بیان کرتا ہو۔[۳]

اخلاص کی برکت سے بغداد کا مدرسہ نظامیہ بچ گیا

پانچویں صدی، ہجری کے اواخر میں حسن بن علی نظام الملک طوسی کی حکومت تھی، یہ بادشاہ نہایت ہی فہم و فراست کا مالک اور حدیث و فقہ کا عالم تھا، علم دوست اور علماء کا قدر دان تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں علم کو بڑی ترقی ہوئی ہے۔

---

[۱] تذکرۃ الاولیاء۔ فارسی ج ۲ ص ۳۹ [۲] ایضاً ص ۴۰ [۳] رسالہ قشیریہ۔ مترجم ص ۶۳

نظام الملک نے ملک کے چپے چپے پر مکاتب و مدارس قائم کیے جن کا خرچ خود برداشت کرتا تھا۔ علامہ قزوینیؒ نے "آثار البلاد" میں تصریح کی ہے کہ اس زمانہ میں مدارس کا سالانہ خرچ چھ لاکھ اشرفیاں تھیں، اس کے سوا اپنی کل جاگیرات کا دسواں حصہ تعلیم کے مصارف پر وقف کر دیا تھا۔ علامہ شبلیؒ کا کہنا ہے کہ سلطنتِ سلجوقیہ کی اشرفیاں ہماری نظر سے گزری ہیں کم سے کم ۲۵ روپے کے برابر ہوتی ہیں اس بناء پر نظام الملک کے خاص عطیہ کو چھوڑ کر ایک کروڑ پچاس لاکھ سالانہ کی رقم شاہی خزانہ سے تعلیمات کے لیے مقرر تھی۔"[1]

نظام الملک کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ اس نے بغداد میں ایک عالی شان مدرسہ بنوایا جس کا نام تھا "مدرسہ نظامیہ" اس مدرسہ کے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" بغداد میں ایک مدرسہ نظامیہ تھا کہ جس سے بڑے بڑے علماء جیسے امام غزالیؒ اور شیخ سعدیؒ پڑھ کر نکلے اور وجہ اس مدرسہ کی بناء کی یہ ہوئی تھی کہ اس زمانہ میں قضاء اور اِفتاءؔ اور دیگر بڑے بڑے عہدے علماء ہی کو دیے جاتے تھے تو جس کا باپ مثلاً قاضی ہوتا تھا وہ کوشش کرتا تھا اور دعویٰ استحقاقِ قضا کا کرتا تھا خواہ وہ اہل ہو یا نہ ہو تو سلطانِ وقت نے بمشورۂ وزراء وارکانِ دولت اس لیے یہ مدرسہ بناء کیا کہ جو اس مدرسہ میں پاس حاصل کرلے اس کو یہ عہدے دیے جاویں گے تاکہ نااہلوں کو اور جہلاء کو حوصلہ ایسے عہدوں کی درخواست کا نہ ہو تو جس روز اُس مدرسہ کی بُنیاد رکھی گئی اس روز عُلماءِ بخارا میں ماتم ہُوا تھا کہ آج کی تاریخ سے علمِ دین دُنیا کے لیے پڑھا جائے گا، لیکن تاہم ایسے بڑے علماء اس میں سے پڑھ کر نکلے کہ فخرِ علماء ہوئے اور جن کا نظیر اس وقت روئے زمین پر نہیں ایک روز بادشاہ اس مدرسہ کے دیکھنے کے لیے تشریف لائے اور مخفی طور سے طلبہ کے خیالات کی آزمائش کی کہ دیکھیں علم پڑھنے سے ان کی کیا غرض ہے، چنانچہ ایک طالب علم سے پُوچھا کہ آپ کس لیے پڑھتے ہیں اس نے

---

[1] الغزالی ص۱۶ طبع مدینہ پبلشنگ کراچی

کہا کہ مَیں اس لیے پڑھتا ہوں کہ میرا باپ قاضی ہے مَیں اگر عالم بن جاؤنگا تو مَیں بھی قاضی ہوجاؤں گا۔ اس کے بعد دوسرے سے پُوچھا، اُس نے کہا کہ میرا باپ مفتی ہے میں مفتی بننے کے لیے پڑھتا ہوں۔ غرض جس سے پُوچھا اس نے کوئی غرض دنیا ہی کی بتلائی۔ بادشاہ کو بہت غصّہ آیا کہ افسوس ہے کہ افسوس ہے کہ علم دین دُنیا کے لیے پڑھا جا رہا ہے اور ہزاروں رُوپیہ مفت میں برباد ہو رہا ہے۔ ایک گوشہ میں امام غزالیؒ بھی خستگی کی حالت میں بیٹھے کتاب دیکھ رہے تھے۔ اس وقت تک یہ طالب علم تھے نہ کوئی جانتا تھا نہ شہرت تھی ان سے دریافت کیا کہ تم کیوں پڑھتے ہو۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ میں نے دلائلِ عقلیہ و نقلیہ سے معلوم کیا ہے کہ ہمارا ایک مالکِ حقیقی ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ مَیں نے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے معلوم کیا ہے کہ ہمارا ایک مالک حقیقی جو سمٰوات و ارض کا مالک ہے اور مالک کی اطاعت ضروری ہوتی ہے کہ اسکی مرضیات پر عمل کرے اور نامرضیات سے بچے سو مَیں اس لیے پڑھتا ہوں کہ اس کی مرضیات و نامرضیات کی اطّلاع حاصل ہو، بادشاہ سُن کر خوش ہوئے اور ظاہر کر دیا کہ میں بادشاہ ہوں اور کہا کہ مَیں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس مدرسہ کو توڑ دوں مگر تمہاری وجہ سے یہ مدرسہ رہ گیا۔“ [1]

قربانی

حضرت شیخ فتح بن علی مَوْصِلیؒ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر اولیاء میں سے تھے۔ حضرت بشر حافی رضؒ کے انتقال سے سات سال پہلے ۲۲۰ھ میں آپ کا انتقال ہُوا تھا، آپ کا انتقال عیدالاضحی کے روز ہوا اور عجیب طرح سے۔

”ہوا یُوں کہ آپ عیدالاضحیٰ کے روز کو ہساروں سے گزر رہے تھے وہاں

[1] وعظ ذم الھوی ص۲۸ مشمولہ آداب انسانیت

کے لوگوں کو دیکھا کہ قربانیاں کر رہے ہیں آپ نے کہا: "الٰہی تو دانی کہ چیزے ندارم کہ برائے تو قربان کنم من ایں دارم" الٰہی تو جانتا ہے کہ میرے پاس قربانی کے لیے کوئی جانور نہیں جو تیری راہ میں قربان کروں بس یہ ایک جان ہے (اسی کو قربان کرتا ہوں) یہ کہہ کر آپ نے اپنی اُنگلی اپنے گلے پر اس طرح چلائی جس طرح ذبح کے لیے چھری چلائی جاتی ہے، اُنگلی گلے پر چلاتے ہی آپ گر پڑے، آپ کے گرتے ہی لوگوں نے آپ کو دیکھا تو آپ کی رُوح پرواز کر چکی تھی اور گلے پر ایک سبز خط نمودار تھا۔[1]

حضرت شیخ فتح رح اپنے زمانہ کے اولیاء کبار میں سے تھے، کثرت سے رویا کرتے تھے، منقول ہے کہ ایک دن آپ رو رہے تھے اور حالت یہ تھی کہ آنکھوں سے خون آلود آنسو ٹپک رہے تھے، لوگوں نے پُوچھا کہ اے فتح! آخر آپ اس قدر کیوں رو رہے ہیں؟ فرمانے لگے: جب مجھے اپنے گناہ یاد آتے ہیں تو میری آنکھوں سے خُون کے آنسو نکلنے لگتے ہیں کہ کہیں میرا رونا محض ریاکاری کی وجہ سے نہ ہو۔ آپ کا کہنا ہے کہ: میں نے ایسے تیس بزرگوں سے فیضِ صُحبت حاصل کیا ہے جو سب کے سب ابدال تھے، سب نے خلقت سے بھاگنے اور کم کھانے کی نصیحت فرمائی۔[2]

ایک بلّی کے ایثار و قربانی کا حیرت انگیز واقعہ

راقم الحروف مولانا جامی رحمہ اللہ (م ۸۹۸ھ) کی کتاب "نفحات الانس من حضرات القدس" کا مطالعہ کر رہا تھا کہ نظر سے حضرت ابو العباس نہاوندی رحمہ اللہ کے ایک مرید شیخ اخی فرج زنجانی رحمہ اللہ (م ۴۵۷ھ) کے حالات گزرے، مولانا جامی رحمہ اللہ نے اِن کے حالات میں ایک بے زبان کا ایسا واقعہ نقل فرمایا جسے پڑھ کر حیرت بھی ہُوئی اور عبرت بھی، جی چاہا کہ اپنے قارئین کو وہ واقعہ سُنایا جائے، ملاحظہ فرمائیے مولانا جامی رح تحریر فرماتے ہیں۔

"کہتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک بلّی تھی، جب مہمان آپ کی خانقاہ میں آتے تو وہ بلّی مہمانوں کی تعداد کے حساب سے میاؤں میاؤں کرتی (آواز نکالتی)

---

[1] نفحات الانس من حضرات القدس فارسی ص۳۳ [2] تذکرۃ الاولیاء فارسی ص۲۵۵

باورچی خانہ کا خادم شوربے کی دیگچی میں ہر مہمان کے لیے ایک ایک پیالہ فی مہمان کے حساب سے پانی ڈال دیتا تھا۔ ایک دن مہمانوں کی تعداد اس کی آواز کے حساب سے بڑھ گئی، لوگوں کی تعجب ہُوا (کہ آج حساب میں یہ غلطی کیسے ہوگئی۔) اتنے میں وہ بلّی مہمانوں کے پاس آئی اور ایک ایک کو سونگھنے لگی اور اُن میں سے ایک پر پیشاب کر دیا، جب اس شخص کے بارے میں تحقیق کی گئی تو وہ شخص دین سے بیگانہ نکلا (اس وجہ سے بلّی نے اس کو خانقاہ کے مہمانوں میں شمار نہیں کیا) اسی بلّی کے سلسلہ میں ایک یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک دن خادم نے دیگ میں مہمانوں کے واسطے کھیر پکانے کے لیے دُودھ ڈالا ایک کالا سانپ اُدھر سے گزرتے ہوئے دیگ میں گر پڑا۔ بلّی نے سانپ کو گرتے ہُوئے دیکھ لیا۔ وہ خادم کو خبردار کرنے کے لیے دیگ کے گرد اگرد پھرنے لگی اور آواز نکال کر اپنا اضطراب اور بے چینی ظاہر کرنے لگی، لیکن خادم کسی طرح بھی یہ بات نہ سمجھ سکا (اور اسی طرح کھیر پکاتا رہا) وہ بلّی کو بار بار بھگاتا اور جھڑکتا تھا، جب خادم کسی طرح اس کے اشاروں کو نہ سمجھا تو بلّی نے اُس دیگ میں خود کو گرا دیا (کہ اب تو مہمان اس کھیر کو نہیں کھائیں گے اور پھینک دیں گے) دیگ میں گر کر بلّی مر گئی، جب بلّی کے گر مر جانے کے سبب سے کھیر کو پھینکا گیا تو کالا سیاہ سانپ (بلّی کے علاوہ) اس دیگ سے نکلا، اس وقت شیخ نے فرمایا کہ اس بلّی نے خود کو درویشوں پر قربان کر دیا، لوگ اس بلّی کو دفنا کر اس کی قبر پر جانے لگے کہتے ہیں کہ ابھی تک اس کی قبر موجود ہے اور لوگ اس کی قبر پر جاتے ہیں۔"[۱]

---

[۱] نفحات الانس فارسی ص۱۰۲

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : انوار الباری شرح اُردو صحیح البخاری (جلد ۱ تا ۱۷)

افادات : حضرت علامہ محمدؒ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

مرتّب : مولانا سیّد احمد رضا بجنوری رحؒ

صفحات : تقریباً چار ہزار

سائز : ۲۰×۳۰/۸

ناشر : ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

قیمت : -/۲۱۰۰

کتاب و سُنّت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کا خلاصہ دو چیزیں ہیں۔ (۱) عقائد (۲) اعمال، ایک عام مُسلمان سے شریعت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ عقائد کو دُرست کرے اور اعمالِ شرعیہ کو بجالائے، اِسی پر اُس کی کامیابی کا مدار ہے۔

اکابرِ احناف کو اللہ تعالیٰ نے یہ عظمت عطا فرمائی ہے کہ وہ دین و شریعت کے دونوں ستونوں کی حفاظت اور نشر و اشاعت میں پیش پیش رہے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ عقائد کے سلسلہ میں سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی ہے وہ "الفقہ الاکبر" ہے جو امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، اسی طرح اعمالِ شرعیہ کی ترتیب میں سب سے پہلی حدیث شریف کی جو کتاب لکھی گئی ہے۔ وہ "کتاب الآثار" ہے جو حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ کی تالیف ہے، تاریخ کی اسی شہادت کے پیشِ نظر حضرت امام صاحبؒ کو شریعت کا مُدوّنِ اوّل قرار دیا گیا ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت

ہے جس کا انکار دن میں سورج کے انکار کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف وخلف سب اسکا اعتراف کرتے چلے آئے ہیں چنانچہ علامہ سیوطی شافعی رحمہ اللہ رم ۹۱۱ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"الامام ابوحنیفۃ اَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ الشریعۃِ"[1]	حضرت امام ابوحنیفہؒ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے علم شریعت کو مُدَوَّن کیا ہے۔

محدّث اعظم حضرت عبداللہ بن داؤد خُرَیْبی رحمہ اللہ (م ۲۱۳) جن کے بارے میں امام وکیعؒ کا کہنا ہے کہ "عبداللہ بن داؤدؒ کے توچہرہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے"[2] ارشاد فرماتے ہیں۔

"یجب علی اھل الاسلام ان یدعوا اللہ لابی حنیفۃ فی صلوٰتھم قال و ذکر حفظہ علیھم السنن والفقہ"[3]	مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں ابوحنیفہؒ کے لیے دُعا کیا کریں کیونکہ اُنھوں نے حدیث وفقہ کو اُن کے لیے محفوظ کیا ہے۔

امام الائمہؒ نے جس کام کی بُنیاد ڈالی تھی اُن کے نامور تلامذہ نے اُس کو وسعت دی اور آگے اُمّت تک پہنچایا تا آنکہ یہ سلسلہ عُلماء اہلِ سُنّت اکابر دیوبند تک پہنچا۔ اکابرِ دیوبند نے اس دَور میں شریعتِ مقدسہ کی حفاظت کی ایسی مثال قائم فرمائی جس کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے۔ دشمنانِ دین وشریعت نے جس محاذ سے بھی دین میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی اور فتنہ کھڑا کرنا چاہا اکابر دیوبند نے سینہ تان کر اُس کا مقابلہ کیا۔ آریہ دھرم کا فتنہ ہو یا صیہونیت وعیسائیت کا، مرزائیت کا فتنہ ہو یا خارجیت و ناصبیت کا، ترکِ تقلید کا فتنہ ہو یا انکارِ حدیث کا اکابر دیوبند نے ہر فتنہ کے استیصال میں نہایت جانفشانی سے کام لیا یہاں تک کہ اہلِ باطل کو سپر ڈالنی پڑی۔

اکابر دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے جہاں شریعت کے دیگر علوم وفنون کی خدمت کی توفیق بخشی وہیں علمِ حدیث کی خدمت سے بہرۂ وافر عطا فرمایا۔ اکابر دیوبند نے اِس دَورِ انحطاط و قحط الرجال میں علمِ حدیث کی ایسی شاندار خدمت انجام دی کہ عالمِ عرب بھی اس کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ دُنیاء عرب کے متبحر عالم، نامور اہلِ قلم، مصر کے مشہور علمی رسالہ "المنار" کے ایڈیٹر اور "تفسیر المنار" کے مصنّف علامہ سیّد رشید رضا مصری مرحوم اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"ولولا عنایۃ اخواننا علماء الھند بعلوم الحدیث فی ھذا العصر لقضی علیھا بالزوال من	اگر ہمارے بھائی ہندوستانی علماء (علماء دیوبند) کی توجہ اس زمانے میں علمِ حدیث کی طرف مبذول نہ ہوتی

[1] تبییض الصحیفہ ص ۱۱۹ طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۸ [3] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۴

امصار الشرق فقد ضعفت فی مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتی بلغت منتهی الضعف فی اوائل هذا القرن الرابع عشر»۔[1]

تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا، کیونکہ مصر، شام، عراق اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے چودھویں صدی کے اوائل تک یہ علم ضعف کی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا۔

جی چاہتا تھا کہ اس موقع پر علماء دیوبند کی خدماتِ حدیث کا مفصل جائزہ پیش کیا جاتا، لیکن طوالت کے خوف سے اُسے قلم انداز کیا جا رہا ہے۔ کسی موقع پر انشاء اللہ "علماء دیوبند اور خدماتِ حدیث" کے عنوان سے قسط وار اپنے قارئین کی خدمت میں علماء دیوبند کی خدماتِ حدیث کو تفصیل سے پیش کیا جائے گا۔

یُوں تو اکابر دیوبند میں سے ہر بزرگ ہی علوم و فنون میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں، تاہم حضرت علّامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ (م ۱۳۵۲/۱۹۳۴ء) کو خداوند کریم نے جو مرتبہ و مقام عطا فرمایا تھا اُسے دیکھ کر قرونِ اُولی کے علماء کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علّامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (م ۱۳۶۹/۱۹۴۹ء) نے حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات پر جامعہ ڈابھیل کے جلسہ میں فرمایا تھا۔

> "مجھ سے اگر مصر و شام کا کوئی آدمی پُوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شیخ تقی الدّین ابن دقیق العید، اور سلطان العلماء حضرت شیخ عز الدّین بن سلامؒ کو دیکھا ہے؟ تو میں استعارہ کر کے کہہ سکتا تھا کہ ہاں دیکھا ہے، کیونکہ صرف زمانہ کا تقدم و تأخر ہے۔ ورنہ اگر حضرت علّامہ انور شاہ بھی چھٹی یا ساتویں صدی میں ہوتے تو اسی طرح آپ کے مناقب و محامد بھی اوراقِ تاریخ کا گراں قدر سرمایہ ہوتے، میں محسوس کر رہا ہوں کہ حافظ ابن حجر، شیخ تقی الدّین اور سلطان العلماء کا انتقال آج ہوا ہے۔"[2]

آپ کا درسِ حدیث اپنے دَور کا مشہور درس تھا جو ایک خاص امتیازی شان لیے ہوئے تھا، آپ کے تبحر علمی نے درسِ حدیث کو جامع علوم و فنون بنا دیا تھا۔ بڑے بڑے جبالِ علم اور جید

---

[1] مفتاح کنوز السنۃ: ص ف طبع سہیل اکیڈمی لاہور [2] بیس بڑے مسلمان ص ۳۷۳

اساطینِ علم وفضل آپ کے درسِ حدیث سے فیض یاب ہوئے اور اپنے زمانہ کے فخر المحدّثین بنے۔
متعدّد حضرات نے آپ کے دروسِ حدیث قلمبند فرمائے جو آج ہمارے سامنے مستقل شروحات کی شکل میں موجود ہیں۔ جن میں سے العرف الشذی، فیض الباری، انوار الباری نہایت وقیع شرحات ہیں۔
اس وقت ہمارے پیشِ نظر "انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری" ہے جس پر تبصرہ مقصود ہے، بخاری شریف کی یہ ضخیم اُردو شرح حضرت شاہ صاحبؒ کے درسی افادات ہیں جنہیں آپ کے قابل فخر شاگرد اور داماد حضرت مولانا سیّد احمد رضا صاحب بجنوریؒ نے ترتیب دیا ہے جسکی صورت تکوینی طور پر یہ بنی کہ جب حضرت شاہ صاحبؒ ڈابھیل تشریف لے گئے تو وہاں مولانا بجنوریؒ آپ کے درسِ بخاری میں دو سال شریک ہوئے اور آپ کے نہایت قیمتی درسی افادات کو قلمبند فرمایا۔
کچھ عرصہ بعد حضرت شاہ صاحبؒ کے تلامذہ و متعلقین کے اصرار پر ان کے شائع کرنے کا ارادہ ہوا تو مولانا بجنوریؒ نے ان افادات کے ساتھ دیگر محققین کے افادات بھی شامل فرمائے اور انہیں "انوار الباری اُردو شرح صحیح البخاری" کے نام سے شائع فرمایا، مولانا بجنوریؒ کی اس شرح کے متعلّق راقم کا کچھ کہنا "چھوٹا منہ بڑی بات" کے مترادف ہوگا۔ اس لیے راقم اپنی رائے کے بجائے فخر المحدّثین حضرت علّامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (۱۳۹۴/۱۹۷۴) کی رائے گرامی نقل کرنا مناسب خیال کرتا ہے ــــ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

> اُردو میں بخاری شریف کی یہ شرح مکمّل ہوگئی اور خدا کرے جلد مکمّل ہوجائے تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا جو مولانا سیّد احمد رضا صاحب عَمَّ فَیْضُہٗ کے ہاتھوں انجام پائے گا جس کی نظیر اُردو زبان میں خدمتِ حدیث کے لیے اَب تک ظہور میں نہیں آئی اس شرح میں امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کے علوم و معارف کے علاوہ اکابر علماءِ دیوبند کے علوم بھی شامل ہوگئے ہیں جن کی طرف حضرت امام العصر اپنے درسِ حدیث میں اشارہ فرمادیا کرتے تھے۔ مجھے اُمّید ہے کہ علماء اور طلبہ اس کتاب سے بہت زیادہ منتفع ہوں گے اور مولانا سیّد احمد رضا صاحب کی مساعیٔ جمیلہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اُن کو دُعاؤں سے ہمیشہ یاد رکھیں گے
> جزاہ اللہ تعالیٰ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء

اس کتاب انوار الباری کے مطالعہ سے دنیا پر یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ علماءِ حنفیہ کا علمِ حدیث میں کس قدر عالی مقام ہے اور وہ فہمِ حدیث میں سب سے آگے ہیں اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حنفیہ حدیث سے زیادہ قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ یہ اُن کے قصورِ فہم کی دلیل ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ حنفیہ تو سب سے زیادہ عامل بالحدیث والآثار ہیں کہ حدیث مرسل وضعیف اور قولِ صحابی کو بھی قیاس سے مقدم کرتے ہیں ان کے ہوتے ہوئے ہرگز قیاس سے کام نہیں لیتے، چنانچہ اپنی کتاب اعلاء السنن میں اسی حقیقت کو بندہ نے بھی بخوبی واضح کر دیا ہے اور اس کتاب انوار الباری میں بھی اس پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ انوار الباری میں یہ بھی دکھلا دیا گیا ہے کہ امام بخاری کے شیوخ اور شیوخ الشیوخ میں اکثر حنفی ہیں اور یہ کہ حنفیہ میں بڑے بڑے محدثین ہیں جن کا مقام علمِ حدیث میں بہت بلند ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم"[1]

افسوس کہ یہ شرح پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی اور اب یہ مکمل ہو سکے گی یا نہیں اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ کیونکہ مولانا بجنوری رحمہ اللہ کا ۲۲ رمضان کو انتقال ہو گیا ہے۔ اِنّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

تقریباً ۱۷ برس پہلے دسمبر ۱۹۸۰ء میں جب مولانا بجنوری پاکستان تشریف لائے تھے تو لاہور میں آپ نے جامعہ مدنیہ میں قیام فرمایا تھا۔ انہی دنوں راقم الحروف آپ کی زیارت سے مشرف ہوا تھا، آپ قد و کاٹھ کے لحاظ سے نحیف و نزار انتہائی سادہ وضع اور اخلاقِ کریمانہ کے حامل بزرگ تھے۔ راقم نے حضرت کی زیارت تو کئی بار کی لیکن بدقسمتی کہیے کہ اپنی لاشعوری اور نااہلی کی وجہ سے حضرت سے استفادہ نہیں کر سکا۔ مولانا بجنوری رحؒ بانیِ جامعہ حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں قدس سرّہٗ سے بہت متأثر تھے، چنانچہ آپ انوار الباری ج ۱۲ کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

" لاہور کے طویل قیام میں حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب خلیفہ حضرت مدنی رحؒ و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ کی علمی و روحانی مجالس سے اہم استفادات کا موقع میسّر ہوا، بخاری شریف کا درس محققانہ محدّثانہ رنگ

---

[1] انوار الباری ج ۴ ص ۴۰۶

میں دیتے ہیں۔ مطالعہ نہایت وسیع ہے اور نہایت گراں قدر علمی و حدیثی یادداشتیں
جمع کی ہیں جو طبع ہو جائیں تو اہلِ علم کو نفعِ عظیم حاصل ہوگا۔ نہایت متواضع، خُلُقِ مجسم
اور خمول و خلوت پسند ہیں۔"[1]

مولانا اسحاق صاحب ملتانی جنہوں نے یہ شرح شائع کی ہے انہوں نے راقم الحروف سے فرمایا تھا کہ میرے پاس حضرت شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا انظر شاہ صاحب کا خط آیا ہے جس میں ایک تو آپ نے مولانا بجنوریؒ کے انتقال کر جانے کی خبر دی ہے۔ دوسرے مولانا نے اس شرح کی تکمیل کا عزم و ارادہ ظاہر فرمایا ہے۔ خدا کرے کہ ایسا ہو جائے۔

فی الحال یہ شرح بخاری شریف کی ابتداء سے لے کر کتاب الجنائز کے آخر تک کی ہے۔ جس میں ہر ہر مسئلہ سے متعلق سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ شروع کے دو حصوں میں مولانا بجنوریؒ نے اس شرح کا نہایت وقیع مقدمہ تحریر فرمایا ہے جس میں علم حدیث کے مبادیات کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کی درسی خصوصیات کو بڑے شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مزید برآں یہ کہ آپ نے اس میں چھ سو سے زائد محدثین کا تذکرہ بھی دیا ہے۔ کاش کہ یہ شرح مکمل ہو جاتی تو بخاری شریف کی اُردو شروحات میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی، تاہم جتنی بھی ہے غنیمت ہے، پہلے یہ شرح ہندوستان میں طبع ہوئی تھی۔ اسی کا عکس لے کر ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کی طرف سے دوبارہ شائع کی گئی ہے۔ ناسپاسی ہوگی اگر اس شرح کی نئی طباعت پر مولانا محمد اسحاق صاحب مالک ادارہ "تالیفات اشرفیہ" کا شکریہ ادا نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ شرح ہندوستان میں طبع ہونے کے بعد انتہائی ناپید ہوگئی تھی اور تلاش کے باوجود نہیں ملتی تھی۔ مولانا نے بڑی جدّوجہد کے بعد مختلف مقامات سے اس کے متفرق حصّوں کو اکٹھا کر کے شائع کیا ہے جس کے نتیجہ میں اب اس شرح کا حصول ہر ایک کے لیے آسان ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی مساعی کو قبول و منظور فرما کر اشاعتِ دینِ متین کی توفیقِ مزید سے بہرہ ور فرمائے۔　　(ن - د)

---

[1] انوار الباری ج ۱۶ ص ۲۲۲

اخبار الجامعہ

محمد عابد، متعلم جامعہ مدنیہ

* مارچ ۱۹۹۸ء کے پہلے عشرہ میں مدرسہ شاہی مُراد آباد کے نائب مہتمم مولانا محمد عمر صاحب مدظلہم، پاکستان تشریف لائے اور جامعہ میں چند روز قیام فرمایا۔

* ۱۵ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ ۱۵ مارچ ۱۹۹۸ء بروز اتوار مولانا زاہد الراشدی صاحب اور مولانا محمد خان شیرانی صاحب ممبر قومی اسمبلی تشریف لائے اور حضرت مہتمم صاحب اور نائب مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔

* ۱۶ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ کو حضرت مہتمم صاحب اسلام آباد تشریف لے گئے اور تین روز بعد واپس تشریف لائے، ۱۶ ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ ہی کو جناب نائب مہتمم صاحب مولانا محمد عبداللہ صاحب مہتمم مدرسہ دار الہدیٰ اور امیر جمعیۃ علماء اسلام صوبہ پنجاب کی دعوت پر بھکر تشریف لے گئے جہاں آپ نے مدرسہ کا دورہ کیا، بھکر کے ڈگری کالج کے پرنسپل پروفیسر محمد عبداللہ صاحب سے ملاقات کی اور جامعہ مدنیہ کے سابق طالب علم کے تعمیر کردہ مدرسہ کا بھی دورہ کیا وہاں سے آپ ڈیرہ اسمٰعیل خان مولانا حافظ عبدالکریم صاحب صابر مرحوم کے صاحبزادوں کے گھر تشریف لے گئے اور ایک دن وہاں قیام فرمایا، ڈیرہ میں آپ نے حضرت بانی جامعہ رحمہ اللہ کے متعلقین سے بھی ملاقات کی بالخصوص حاجی مہربان خان صاحب سے، ۱۹ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ کو آپ واپس تشریف لے آئے۔

* ۱۶ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ کو جامعہ کے مدرس مولانا قاری محمد عثمان صاحب جو گزشتہ سال تبلیغی جماعت کے ساتھ ایک سال کے لیے بیرون ملک گئے ہوئے تھے۔ واپس تشریف لے آئے، اور اسباق شروع کرادیے۔

* ۲۴ مارچ کو کراچی سے جناب سلیم صاحب (ماڈرن کیمیکل والے) اور مظفر آباد آزاد کشمیر سے الحاج شوکت صاحب تشریف لائے اور چند روز جامعہ میں قیام فرمایا

* ۲۵ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ ۲۵ مارچ ۱۹۹۸ء بروز بدھ حضرت رشید میاں صاحب مہتمم جامعہ مدنیہ امریکہ کے دورہ پر تشریف لے گئے۔

* ۲۷ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ بروز جمعہ جامعہ کے استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مدظلہم حج کی سعادت کے لیے تشریف لے گئے۔

ارا کینِ جامعہ مدنیہ کی زیرِ نگرانی گائے کی قربانی کا
بندوبست کیا جا رہا ہے۔ جو حضرات حصّہ لینا چاہیں

فوری طور پر رابطہ فرمائیں

الداعی

مولانا شیر محمد۔ قاری غلام رسول منشی محمد یونس

مدینہ مسجد کریم پارک لاہور، فون

نوٹ

قربانی کی کھالوں کا بہترین مصرف آپ کا اپنا مدرسہ

جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور